نمل (نمرہ احمد)

قسط نمبر: (16)

''میرا مرضِ مُستمِر!''

میں نے ایک سمر کیمپ اٹینڈ کیا تھا
اس چھڑی جیسی لڑکی ٹوائلا اسٹینز بری کے ساتھ
وہ بہترین اتھیلیٹ تھی
اسے فٹنس کا جنون تھا۔

جتنی دبلی ہو جائے، کم تھا۔
ایک پاؤنڈ یہاں سے، ایک پاؤنڈ وہاں سے۔
ہرنی کی طرح بھاگتی تھی۔
مگر پھر..وہ چلنے کے قابل بھی نہ رہی
تب میں نے جانا کہ وہ اینوریکسک (نفسیاتی بیمار) تھی۔
اس بیماری نے اس کی بصارت چھین لی تھی
میں نے نہیں دیکھا ٹوائلا سے زیادہ کسی کو
اپنے جسم کے بارے میں اتنا جنونی۔
ساری زندگی اس نے جس چیز کے پیچھے بھاگتے گزاری
اسی نے اسے تباہ کر دیا۔
تم کہتے ہو برلن، انتقام تمہارا جنون ہے۔
میں تمہیں بتاؤں، انتقام جنون نہیں ہوتا۔
یہ تو ایک بیماری ہے۔

جو دل کو کھاتی ہے

اور روح کو زہریلا کر دیتی ہے۔

(دی بلیک لسٹ کے کردار ''ریمنڈ ریڈنگٹن'' کا مکالمہ)

ستمبر کے آخری ایام میں گرمی کم تھی مگر حبس اب بھی تھا۔ ایسے میں اس ہسپتال کی اونچی بلڈنگ کی ایک کھڑکی سے جھانکو تو اندر ڈاکٹر قاسم بشارت کے کمرے میں زمر بالکل خاموش بیٹھی تھی اور ڈاکٹر قاسم اس کو تاسف سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو اپنے ہزبینڈ کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔''

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ مجھے میرے کڈنی کا بتائیں۔ کیا وہ مکمل طور پہ ختم ہو چکا ہے؟'' بظاہر مضبوط انداز سے پوچھا۔

''زمر، آپ نے چار سال اس ڈونیٹیڈ کڈنی پہ گزارے ہیں...''

''مگر یہ پرفیکٹ میچ تھا' آپ نے کہا تھا میری قسمت اچھی ہوئی تو بیس سال بھی گزار سکتی ہوں۔'' ڈاکٹر پہ جمی آنکھوں میں کرب سا ابھرا۔

''آئی ایم سوری زمر' مگر پچھلے تین ماہ سے نہ آپ دوا ٹھیک سے لے رہی ہیں' نہ چیک اپ کے لئے آتی ہیں' پچھلے ہفتے ٹیسٹس کے لیے بھی میں نے زبردستی آپ کو بلایا تھا۔'' ذرا رک کے گہری سانس لی۔ ''آپ کی کڈنی تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ مکمل نہیں' تقریباً۔''

''کتنے عرصے بعد مجھے نئے کڈنی کی ضرورت پڑے گی؟''

''جلد از جلد۔ جتنی دیر کریں گی۔ اتنا مسئلہ ہو گا۔ کیا آپ نے کسی اور ڈاکٹر کی رائے لی؟''

''جی، میں ڈاکٹر فاروق احسان کے پاس گئی تھی۔ ٹیسٹس بھی دوبارہ کروائے۔ ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ مجھے جلد از جلد ٹرانسپلانٹ کروانا ہو گا۔'' کمرے میں ایک آزردہ سی خاموشی آٹھہری۔

''کیا آپ کی فیملی میں کوئی ایسا ہے جو آپ کو کڈنی ڈونیٹ کر سکے؟'' قدرے توقف سے انہوں نے پوچھا۔

''میں کوئی گیم تو نہیں کھیل رہی کہ ایک چیز ضائع ہو جائے تو دوسرے سے مانگ لوں۔ کڈنی ڈونیشن بہت بڑی بات ہے۔ اور میں اپنی فیملی سے کچھ بھی نہیں مانگنا چاہتی مزید۔'' وہ اس سوال پہ ناخوش ہوئی تھی۔

''اوکے ریلیکس!'' انہوں نے اسے تسلی دی۔ ''میں ڈونر کا بندوبست کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جتنی جلدی اور گن ملے، اتنی جلدی ہم ٹرانسپلانٹ کر دیں گے، لیکن آپ نے پہلے کی طرح اب بد احتیاطی نہیں کرنی۔ میں پھر کہوں گا، آپ اپنی فیملی میں کسی کو راضی کرنے کی.....''

وہ مزید یہ باتیں نہیں سن سکتی تھی۔ فضا میں موجود حبس اور گھٹن بڑھ گئی تھی، اس لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنی تلاش کا سفر ختم بھی کیجیے کبھی

خواب میں چل رہے ہیں آپ

اسی حبس زدہ دن جب پرندے اکتائے اکتائے اڑ رہے تھے، ایک اور ہسپتال کے پرائیوٹ روم میں آبدار عبید ایک کرسی پہ بیٹھی تھی اور سامنے بستر پہ لیٹے مریض کی باتیں توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ ایک درمیانی عمر کے صاحب تھے۔ ابھی مکمل طور پہ صحت یاب نہیں ہوئے تھے۔ نالیاں وغیرہ ہنوز لگی تھیں۔ چہرے پہ بھی نقاہت تھی۔

''پچھلی ملاقات میں آپ مجھ سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔'' وہ نرمی اور رسان سے کہہ رہی تھی۔ ''ویسے تو میں ہپنوتھراپسٹ ہوں' مگر ایک ریسرچ کے سلسلے میں مجھے آپ کا کیس سننا ہے۔ کیا آپ کمفرٹیبل ہیں؟''

''جی! آپ پوچھیے۔'' انہوں نے نقاہت سے اسے دیکھتے سر ہلایا۔

''او کے۔'' آبدار نے گہری سانس لی۔ ''آپ کی سرجری کے دوران جواد صاحب' ایک وقت ایسا آیا تھا جب آپ کا دل بند ہو گیا تھا' اور آپ کو واپس لانے میں ڈاکٹرز کو پچاس سیکنڈ لگے تھے۔ ان پچاس سیکنڈز کے لئے آپ clinically ڈیڈ ہو چکے تھے۔'' وہ غور سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔ ''ان پچاس سیکنڈز میں... کیا ہوا تھا؟ کیا دیکھا آپ نے؟''

جواد صاحب کے چہرے پہ تکلیف ابھری۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ ''آپ یقین نہیں کریں گی۔''

''ٹرائی می!'' وہ مسکرائی۔

انہوں نے گہری سانس لی۔ آنکھیں بند کر کے یاد کیا۔ ''اس وقت میری سرجری جاری تھی۔ نشے کے باوجود مجھے تکلیف ہو رہی تھی' کچھ آوازیں بھی کانوں میں پڑتی تھیں' ڈاکٹرز وغیرہ کی' پھر میں نے سنا کہ وہ لوگ مجھے لوز کر رہے ہیں' ذرا سی افراتفری پھیلی۔'' وہ رکے۔ وہ غور سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ ''پھر؟''

''پھر جیسے اچانک سے میری ساری تکلیف ختم ہو گئی' میں نے خود کو بہت ہلکا محسوس کیا۔ میں اس بارے میں کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا' لیکن آپ پوچھ رہی ہیں تو...'' سر جھٹکا۔ ''ایسے جیسے میں کسی بوجھ سے آزاد ہو گیا ہوں۔''

''اس کے بعد کیا ہوا؟''

''میں نے.... محسوس کیا کہ...'' وہ آنکھیں موندے دقت سے بول رہے تھے۔ ''.... کہ جیسے کوئی مجھے کھینچ رہا ہے۔ میں آپریشن ٹیبل پہ لیٹا تھا۔ میں نے خود کو اس کے نیچے سے نکلتا محسوس کیا' ہلکا اور آزاد' اور اس کے آگے.... ایک تاریک جگہ تھی جیسے کوئی غار یا سرنگ ہوتی ہے' میں اس میں سے گزر کر دوسری طرف نکلتا گیا۔'' آبدار نے نوٹ بک پہ کچھ لکھتے ہوئے پوچھا۔ ''پھر؟''

''اس غار نما تاریکی سے نکل کر میں نے دیکھا کہ... میں اسی آپریشن تھیٹر میں ہوں' مگر اوپر... فضا میں تیر رہا ہوں۔ آپ یقین نہیں کریں گی۔ مگر میں نے اوپر سے دیکھا' کہ نیچے ٹیبل پہ میرا جسم لیٹا ہے' اور ڈاکٹرز مجھے مسلسل ریوائیو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

اس دفعہ آبدار نے کاغذ کو دیکھے بنا چند الفاظ گھسیٹے۔ ''اس کے بعد کیا ہوا؟''

''اس کے بعد...'' انہوں نے یاد کیا۔ ''میں نے اوپر فضا میں دیکھا، اپنے والد کو، اور ایک بچی کو جو میرے بچپن میں اسکول میں کرنٹ لگنے سے مر گئی تھی، اور بھی چند فوت ہوئے رشتہ داروں کو، وہ مجھے دیکھ رہے تھے، لیکن میرے اور ان کے درمیان ایک سرحد تھی، مادی سرحد نہیں، نہ ہی کوئی لکیر۔ وہ ایک ایسی ان دیکھی باؤنڈری تھی جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا میں اس طرف تھا اور وہ لوگ دوسری طرف۔ وہ مجھے مسلسل واپس جانے کا کہہ رہے تھے، اور میں نہ آگے جا سکتا تھا نہ پیچھے مڑ سکتا تھا۔''

''کیا آپ نے وہاں کسی اور کو دیکھا؟''

کتنے ہی لمحے وہ کچھ نہ بولے۔ پھر اسی طرح بند آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''روشنی۔ وہ روشنی تھی، مگر ٹیوب لائٹ یا سورج یا چاند کے جیسی روشنی نہیں۔ وہ مختلف قسم کی تھی۔ شاید اسی کو نور کہتے ہیں، مگر وہ صرف نور نہیں تھا، وہ نور کا وجود تھا۔ A being of light۔ آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''میں سمجھ رہی ہوں۔ کیا اس نے آپ سے بات کی؟'' وہ بغور ان کے چہرے کی اذیت دیکھ رہی تھی۔

''جی۔ مگر ایسے نہیں جیسے انسان کرتے ہیں، الفاظ سے نہیں، پھر بھی مجھے سمجھ آ رہی تھی کہ وہ مجھے کیا سمجھانا چاہ رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا، اور یہ کہ مجھے واپس جانا ہوگا۔'' انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ ''پھر ہر شے ریوائنڈ ہوگئی۔ میں واپس ہوتا ہوا اپنے جسم میں داخل ہوگیا۔ بھاری اور روزنی۔''

''اس وجود کے قریب کیا محسوس کیا آپ نے؟''

''غیر مشروط محبت۔ احساسِ قبولیت۔ علم کی تڑپ۔ وہ سراپا محبت تھا۔ وہ کون تھا؟ اور کیا یہ صرف ایک خواب تھا؟''

''نہیں، یہ NDE تھا Near Death Experiance۔ آپ سمیت دنیا میں ہزاروں لوگ اس سے گزر چکے ہیں۔ چونکہ آپ کی موت کا مقررہ وقت ابھی نہیں پہنچا تھا۔ اس لئے آپ مر کر بھی زندہ ہوگئے۔'' قدرے رکی۔ ''رہی بات کہ وہ کون تھا، تو آج تک کوئی انسان نہیں بتا سکا کہ وہ کون تھا۔ اس تجربے سے گزرنے والے یہود کہتے ہیں کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے، عیسائی کہتے ہیں وہ مسیح ابن مریم تھے، مسلمان کہتے ہیں کہ وہ ملک الموت عزرائیل علیہ السلام تھے، لیکن مجھ سے پوچھو تو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ نورانی وجود جو مر کر زندہ ہونے والوں کو ملتا ہے، وہ کون ہے۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ وہ آپ کو کیا سکھاتا ہے؟'' اپنی چیزیں سمیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے اب چلنا چاہیے۔''

''آپ خوش نہیں لگ رہیں، جیسے آپ کو جس چیز کی تلاش تھی وہ آپ کو نہیں ملی۔''

آبدار کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ جبراً مسکرائی۔ ''کوئی بات نہیں۔ آپ آرام کیجئے۔'' اب وہ مسکرا کر الوداعی کلمات کہہ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کہ جس ہاتھ میں پتھر، کماں میں تیر نہ ہو

کوئی بھی ایسا مرے شہرِ مہرباں میں نہ تھا

قصرِ کاردار کے لاؤنج میں اس صبح کھلی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ شہرین سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی اور ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

اندر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا۔ شرٹ کے کالر کھڑے تھے اور میز پہ رکھی تین عدد ٹائیز میں سے ایک اٹھا رہا تھا۔ آہٹ پہ نظر اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ سفید شرٹ اور خاکی پینٹس میں ملبوس سنہرے بالوں کی اونچی پونی بنائے شہری مسکراتی ہوئی آ رہی تھی۔

''سونی ہم دونوں کو اپنے اسکول فنکشن میں ساتھ ساتھ دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔ اونہہ گرے ٹائی نہیں جائے گی اس کے ساتھ۔'' وہ آگے آئی اور ہاشم کے ہاتھ سے نرمی سے گرے ٹائی لے کر رکھی اور بلیو اٹھائی۔ ہاشم نے بس مسکرا کر اسے دیکھا بولا کچھ نہیں۔ شہری اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''شیرو کی کمپنی کیسی جا رہی ہے؟ میں نے سنا ہے تم دونوں ہارون عبید کے ساتھ شراکت داری کر رہے ہو اس کمپنی میں؟'' اس کے کالر مزید کھڑے کیے اور ٹائی گردن میں ڈالی، پھر گرہ لگانے لگی۔

''تم نے صحیح سنا ہے۔''

وہ ہاشم کی آنکھوں میں دیکھ کر گرہ کو اوپر تک لائی۔ ''ہاشم!'' مٹھاس سے پکارا۔ ''سعدی کہاں ہے؟''

''یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے۔ تمہاری بہت دوستی تھی اس سے۔'' وہ بھی اسی انداز میں مسکرایا۔

''جس گن سے اسے مارا گیا ہے، وہ گلاک جی فورٹی ون تھی۔ شیرو کے پاس ہے ایسی گن۔ انکار مت کرنا۔'' مسکرا کر اس کے کھڑے کالر سیدھے کیے، پھر ٹائی کی ناٹ پکی کی۔ ''کہیں یہ نہ ہو کہ میں فارس کو کال کر دوں۔'' اب وہ ڈریسنگ ٹیبل سے ٹائی پن اٹھانے مڑی تو ہاشم نے اپنا موبائل اٹھایا۔ شہری واپس ہوئی، اس کی ٹائی کو شرٹ کے ساتھ پن کے ذریعے نتھی کیا تو ہاشم نے نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا۔ تیسری گھنٹی پہ فارس کا ''ہیلو؟'' کمرے میں گونجا۔ ٹائی پن لگاتی شہری نے چونک کر ہاشم کو دیکھا۔ وہ اسی طرح مسکرا رہا تھا۔

''فارس، یار شہری کو تم سے ضروری بات کرنی ہے، اس کے فون کی بیٹری ختم تھی۔ اس کی بات سن لو ذرا!'' اعتماد سے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ شہری کے ہاتھ اس کی ٹائی پن پہ ہی جم گئے۔ دم بخود ساکت۔ فارس ''ہیلو؟'' کہہ رہا تھا۔ اس نے بدقت تھوک نگلا۔ ''ہاں فارس، کیسے ہو؟'' زخمی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھتے جبراً مسکرا کر بولی۔ ''اکتوبر کے پہلے ویک اینڈ پہ ہماری ہاؤس وارمنگ ہے۔ تم آسکو گے؟''

''نہیں۔ بزی ہوں۔'' ذرا توقف سے بولا۔ ''اور کچھ؟''

''نہیں۔ تھینک یو۔'' جلدی سے بولی۔ ہاشم نے فون بند کر کے میز پہ ڈالا۔ پرفیوم اٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھتے گردن پہ چھڑکا۔ فضا ایک دم معطر ہوگئی۔ ''تمہارے تو الفاظ ہی غائب ہو گئے شہری، یقیناً اس لئے کہ تمہارے باپ کا سارا کاروبار میرے اوپر، تم نے سنا میرے اوپر

انحصار کرتا ہے۔رہی سعدی کی بات تو اس کو غائب کرنے میں میرا نہیں' تمہارا ہاتھ ہو سکتا ہے' اور اگر تم نے فارس کو کچھ کہنا ہوتا تو بہت پہلے کہہ دیتیں۔کوٹ؟'' کوٹ کی طرف اشارہ کیا۔شہری نے مرے مرے ہاتھوں سے کوٹ کو سامنے کیا۔ہاشم نے اس میں اپنے بازو ڈالے' اور پھر اسے کندھوں پہ برابر کرتے اسی طرح بولتا گیا۔

''اور جو گن میں نے شیرو کو گفٹ کی تھی' وہ جی فورٹی فائیو تھی۔اس کا تمام پیپر ورک میرے لاکر میں موجود ہے۔سو اگلی دفعہ مجھے بلیک میل کرنے کے لئے کوئی بہتر طریقہ ڈھونڈنا بجائے...'' کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اس کی طرف گھوما اور مسکرا کر اس کے کندھے پہ لٹکا پرس اتارا۔بجھے چہرے والی شہری حرکت بھی نہ کر سکی۔''بجائے میرا اعتراف ریکارڈ کرنے کے۔'' پرس سے ریکارڈنگ پہ رکھا سیل فون نکال کر اس کے سامنے لہرایا' اور دروازے تک آیا۔فیونا کو بلایا۔

''اس کو چولہے میں پھینک دو۔'' سیل فون اس کو تھماتے درشتی سے بولا۔پھر مڑ کر بت بنی شہری کو دیکھا۔

''تم آرہی ہو یا میں اکیلے جاؤں؟''

''مجھے تمہاری نئی کمپنی میں شیئرز چاہیے۔تینتیس فیصد۔'' بمشکل گردن اکڑا کر بولی۔ہاشم مسکرایا۔

''شہری....'' چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔''میں تمہیں اپنی کمپنی میں ایک پائی بھی نہیں دینے لگا۔''

وہ باہر نکل گیا اور شہری نے تلملا کر پیر پٹخا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم پھر بھی اپنے چہرے نہ دیکھیں تو کیا علاج؟
آنکھیں بھی ہیں، چراغ بھی ہے، آئینہ بھی ہے

اس صبح حنین اسٹڈی ٹیبل پہ اپنی پسندیدہ کتاب درمیان سے کھولے بیٹھی تھی۔کچھ دن سے وہ اسے باقاعدگی سے پڑھ رہی تھی' اور اٹھاسی فصلیں پڑھنے کے بعد' دل پہ گناہوں سے لگنے والے زنگ کو سمجھنے کے بعد بالآخر وہ اس فصل پہ پہنچ گئی تھی جس کا اسے انتظار تھا۔

''باب 89۔مرضِ عشق کی دوا!''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے پوری توجہ سے وہ دروازہ ڈھونڈا جو قدیم زمانوں میں لے جاتا تھا' اور پھر اپنے self-hypnosis میں خود کو غرق کرتے ہوئے پٹ کھول دیے...

دوسری جانب ایک روشن دوپہر واضح ہوئی۔چلچلاتی ہوئی دھوپ ایک چراگاہ پہ بکھری تھی۔سبزہ...ہر سو سبزہ۔اور اس زمردی گھاس پہ سفید' پھولے پھولے سے بھیڑ جا بجا گھاس چرتے دکھائی دے رہے تھے۔کیا واقعی دمشق میں اتنا سبزہ تھا؟ مگر کوئی بات نہیں۔یہ حنہ کی دنیا تھی۔وہ قدم قدم چلتی آئی اور ایک پتھر پہ بیٹھے شیخ کے دائیں جانب آ بیٹھی۔جھکے کندھوں کے ساتھ اس نے محض اتنا کہا۔

''میں آگئی ہوں۔مجھے بتائیے۔کیا ہے میرا علاج؟''

شیخ اپنے سفید سرمئی لباس میں بیٹھے تھے۔ نگاہیں دور چرتے بھیڑوں پہ تھیں۔ ہلکا سا بولے۔

"وقف الھوی بی حیث انت فلیس لی۔

متاخر عنه ولا متقدم"

(تیری محبت نے مجھے وہاں لا کھڑا کیا ہے جہاں تو ہے۔

اب یہاں سے مجھے نہ کوئی پیچھے ہٹا سکتا ہے نہ آگے بڑھا سکتا ہے۔)

"درست۔ میں بھی ایسے ہی نقطے پہ کھڑی ہوں۔" وہ بھی سامنے دیکھنے لگی۔ "میرا دل جل رہا ہے میں بے چین ہوں مضطرب ہوں۔ کیا اس قاتل جادو کے اتار کا کوئی منتر ہے؟ میرے دل میں یہ مرضِ مستمر (پرانا، مسلسل چلے آنے والا مرض) اپنی جگہ بنا چکا ہے اور میں اپنا دل کھو چکی ہوں۔ کیا میں پھر سے اپنے دل کی مالک بن سکتی ہوں؟ وہ گناہگار ہے قاتل ہے پھر بھی میں اس سے نفرت نہیں کر پا رہی۔"

"مریضِ محبت کو سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہیے لڑکی کہ کسی شخص کے قبضے سے اپنا دل چھڑانے کے لئے اس کو "بھولنا" یا اس سے نفرت کرنا ضروری نہیں۔"

"بھولے بغیر موو آن کیسے کیا جائے پھر؟"

"اس کا علاج کر کے۔ انسان کو چاہیے کہ اس مرض کو یا تو پیدا نہ ہونے دو لیکن اگر پیدا ہو چکا ہے تو اس کے علاج کے دو طریقے ہیں۔ آج میں تمہیں پہلا طریقہ سمجھاتا ہوں۔"

"اور کیا گارنٹی ہے کہ میں یہ کروں گی تو میرا دل مجھے واپس مل جائے گا؟"

"یہ تمہارے اوپر منحصر ہے کہ تم کتنے اچھے سے دوا لیتی ہو۔"

اس کا دل پھر سے شکوک و شبہات کا شکار ہونے لگا۔ سات سو سال پرانے شیخ کو کیا معلوم موبائل انٹرنیٹ آئل کارٹیلز پاکستان کے مرڈر ٹرائلز اور ان سارے مسئلوں کا جو اسے درپیش تھے۔ مگر پھر بھی اس نے سننا چاہا۔ شیخ کا پہلا توڑ۔

"غضِ بصر۔"

"آ... مطلب؟" اسے عربی بھول بھال گئی تھی۔

"اپنی نگاہ کو پست رکھو، نگاہ کی حفاظت کرو۔ اس کو نہ دیکھو جس کی وجہ سے دل کھویا ہے۔" حنین نے حیرت سے ان کو دیکھا جن کی نگاہیں سامنے تھیں۔ بھیڑ چراگاہ میں چر رہے تھے۔ ہوا چل رہی تھی مگر حنہ کا دماغ الجھ گیا۔

"نگاہ پست کرنے سے کیا ہوگا؟"

"دس فائدے ہیں۔ سنو گی؟" شیخ نے مسکرا کر چہرہ اسکی طرف موڑا۔ حنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پہلا۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور جو بھی انسان فلاح پاتا ہے وہ حکمِ الٰہی مان کر ہی فلاح پاتا ہے اور جو ناکام ہوتا ہے وہ حکم نہ ماننے کی وجہ سے ناکام ہوتا ہے۔"

حنین مزید توجہ سے سننے لگی۔

''دوسرا فائدہ۔ اس کی نظر جو زہر آلود تیر تمہارے دل تک پہنچا کر تمہارا دل ہلاک کرتی ہے' آنکھ کی حفاظت سے وہ تیر تمہارے دل تک نہیں پہنچے گا۔'' وہ انگلیوں پہ گنوا رہے تھے۔

''سوئم' نظر کی حفاظت سے دل میں پوری توجہ سے اللہ کے لئے محبت پیدا ہوتی ہے' ورنہ جن لوگوں کی نگاہ آزاد اور آوارہ رہتی ہے' ان کا دل منتشر رہتا ہے۔ آزاد نگاہی بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔''

''صحیح!'' وہ بالکل محو ہو کر سن رہی تھی۔

''چہارم۔ آنکھ کی حفاظت سے دل مضبوط اور پرسکون رہتا ہے اور آزاد نگاہی یعنی ہر غلط چیز یا شخص کو دیکھ لینے سے دل مغموم رہتا ہے۔''

''پنجم۔ نگاہ پست رکھنے سے دل میں ''نور'' پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ سورۃ نور میں اللہ نے غضِ بصر کی آیت کے بعد ہی آیتِ نور پیش کی؟ کیونکہ دل میں نور نظروں کی حفاظت سے داخل ہوتا ہے' اور جب دل نورانی ہو جائے تو ہر طرف سے خیر اور برکت اس انسان کی طرف دوڑتی ہے۔ اور جن کے دل اندھیر ہوں' ان کو شر اور تکالیف کے بادل گھیرے رکھتے ہیں۔''

چراگاہ اور اس کے اجلے اجلے بھیڑ' ہر چیز حنین کے ذہن سے محو ہو چکی تھی اور وہ مکمل یکسوئی سے سُن رہی تھی۔ بوڑھا استاد کہہ رہا تھا۔

''ششم۔ تم اللہ کا اصول جانتی ہو۔ اس کے لئے جو چھوڑو گے' وہ اس سے بہتر عطا کرے گا۔ تم ''نگاہ'' چھوڑو' وہ بدلے میں ''نگاہ'' عطا کرے گا۔ وہ تمہیں بصیرت دے گا' فہم و فراست کی نگاہ عطا کرے گا' اور تمہاری فراست کبھی خطا نہیں ہو گی۔ مومن اسی نگاہ کی وجہ سے ایک سوراخ سے دوسری بار نہیں ڈسا جاتا۔''

حنین کے دل کی گرہیں کھل رہی تھیں۔

''ساتویں چیز۔ آزاد نگاہی سے انسان ذلیل ہوتا ہے' اپنے نفس کے قدموں میں خود کو رول کر بے توقیر کر دیتا ہے' مگر جو نگاہ کی حفاظت کرتا ہے' اللہ اس کو عزت دیتا ہے' لوگوں میں بھی' فرشتوں میں بھی۔'' وہ سانس لینے کو رکے۔

''آٹھویں بات۔ نگاہ کے ذریعے شیطان اتنی تیزی سے دل میں جا پہنچتا ہے' جتنی تیزی سے کسی خالی جگہ میں خواہشات بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ امیدیں دلاتا ہے' گناہوں کی توجیہات پیش کرتا ہے' اور انسان گناہ کی آگ میں یوں جلتا ہے جیسے کسی بکری کو تنور میں ڈال کر بھونا جائے۔ اسی لئے شہوت پرستوں کو قیامت کے دن آگ کے تنوروں میں ڈالا جائے گا۔''

''اوہ۔'' وہ چونکی۔ ''یہ جو جہنم کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں' یہ گناہوں کو symbolize کرتی ہیں' جیسا گناہ اسی شکل کی سزا؟''

شیخ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''نویں چیز۔ غضِ بصر سے دل کو قرآن پہ غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ورنہ جن کی نگاہیں آوارہ ہوں' ان کے دل اتنے پھنسے اور الجھے ہوتے ہیں کہ یہ فراغت ان کا مقدر نہیں بن سکتی۔''

''آخری یعنی دسویں چیز!'' انہوں نے گہری سانس لی۔''انسان کے دل اور آنکھ کے درمیان ایک سوراخ ہے' ایک راستہ ہے۔ جس کام میں آنکھ مشغول' اسی میں دل مشغول ہوتا ہے۔ ایک کی اصلاح سے دوسرے کی اصلاح ہوتی ہے' ایک کے فساد سے دوسرے کا فساد ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی نگاہ کو صاف رکھو' اس شخص کو نہ دیکھو جس کی طرف دل ہمکتا ہے' کیونکہ یہ تمہارے لئے حرام ہے۔ اگر حلال ہوتا تو ٹھیک تھا' لیکن حلال نہیں ہے۔ سو جب اپنی نگاہ کی مالک بن جاؤ گی تو دل کو بھی واپس حاصل کرلو گی۔ یہ پہلا طریقہ کرو۔''

حنین نے کتاب بند کی تو قدیم زمانوں کا فسوں' سبز چراگاہ' اور اجلے بھیڑ' سب غائب ہو گئے' آنکھیں موند کر اس نے کتاب پہ سر رکھ لیا۔ وہ صبح شام کھڑکی سے ہاشم کی بالکونی دیکھا کرتی تھی' وہ کب آتا ہے' کب جاتا ہے' اسے ساری خبر تھی۔ کیونکہ نگاہ وہیں لگی تھی۔ یہ نظر ہوتی ہے جو اونٹ کو ہانڈی اور انسان کو قبر تک پہنچاتی ہے۔ کیا نظر بد والی حدیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا؟ وہ کسی اور دنیا میں گم سوچ جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں اپنے باپ کا یوسف تھا اس لیے محسن

سکون سے سو نہ سکا، بھائیوں سے ڈرتا رہا

سعدی یوسف کے زنداں خانے میں خاموشی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ کھڑا قلم سے ایک لکیر لگا رہا تھا۔ نیلی جینز پہ سبز ٹی شرٹ پہنی تھی وہ اب پہلے سے دبلا لگتا تھا۔ میری نے میز پہ کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہاں کونے میں کئی اور لکیریں بھی لگی تھیں۔ پورے چار ماہ۔ وہ قید کے دنوں کا یوں حساب رکھتا تھا۔

''کیا آج ہماری عید ہے' میری؟'' میز کی طرف آتے اس نے اداسی سے پوچھا۔

''نہیں، کل ہے۔''

(مجھے یہاں چار ماہ سے ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک کوئی میرے لیے نہیں آیا۔ کیا واقعی میرے گھر والے میرے لیے کوشش کر رہے ہوں گے؟) سوچتے ہوئے وہ بے دلی سے کھانا شروع کرنے لگا۔ پھر رک کر اسے دیکھا۔

''میری انجیو... رات کو کیا ہوا تھا؟ تم پڑھتے پڑھتے اس کاؤچ پہ سو گئی تھیں' پھر نیند میں ایک دم سے اٹھیں اور باہر چلی گئیں۔ دیکھو مجھے تمہارے ادھر آنے پہ اعتراض نہیں۔ اگر تو میں تمہیں پسند آ گیا ہوں تو میرے جیسے ہینڈسم لڑکے...''

''بکومت... تم میرے بیٹے سے چند سال ہی بڑے ہو گے۔'' خفگی سے اسے جھڑکا۔ پھر تکان سے کنپٹی سہلائی۔''میں سونے جا رہی ہوں' گارڈ برتن لے جائے گا۔ ماما تو اب ویسے بھی نہیں آتی۔'' اسے پتہ تھا کہ میری کے سوا وہ کسی کو اپنے کمرے میں برداشت نہیں کرتا۔

''اگر تم نے رات کو کوئی برا خواب دیکھا ہے تو بتاؤ، میں تمہیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں، یا صاحب السجن!''

''خود کو جوزف سمجھنا چھوڑ دو اور کھانا کھاؤ۔'' درشتی سے ٹوکتی وہ سامنے بیٹھ گئی۔ مگر سعدی نے کھانا ڈھک دیا۔

''کون سا خواب ہے جو تمہیں اکثر رات کو نیند سے جگا دیتا ہے؟''

میری کچھ لمحے خاموش رہی، پھر بولی تو لہجہ ذرا نرم تھا۔ ''پہلے نہیں... پہلے تو میرے بیٹے کا ہی خیال آتا رہتا تھا۔ اس کا علاج ہاشم کروا رہا ہے نا۔ مگر جب سے میں نے تمہیں وہ نیکلیس والی بات بتائی ہے' وہ سب یاد آنے لگا ہے۔ جب مسز کاردار نے علاج کی رقم دینے سے انکار کیا تو کیسے فیونا میری ہمدرد بن کر مجھے اکساتی تھی کہ ان کا نیکلیس چرا لوں۔ اس کو ان کے جیولری باکس کا کوڈ بھی معلوم تھا۔''

''اسے کیسے پتہ تھا؟'' وہ چونکا۔

''صاف بات ہے' مسز کاردار مجھے نوکری سے نکالنا چاہتی تھیں' مگر کانٹریکٹ کے تحت میرا دورانیہ رہتا تھا ابھی' سو فیونا نے ان کے ایما پہ سارا کھیل ترتیب دیا۔ میں نے چوری کر ڈالی اور ڈی پورٹ ہونے کے قریب تھی کہ تمہاری وجہ سے ہاشم مجھے یہاں لے آیا۔''

''مسز کاردار کو کانٹریکٹ سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''ہاشم بلا وجہ ان کو اپنے باپ کی ملازمہ کو نہ نکالنے دیتا۔''

''مطلب؟'' وہ الجھا۔

''ان میاں بیوی کے تعلقات کبھی اچھے نہیں رہے۔ اورنگزیب کاردار مجھ سے جواہرات پہ نظر رکھواتے تھے' وہ اسی لئے مجھ سے بدظن رہتی تھیں۔ حالانکہ ان کی پسند کی شادی تھی۔ جواہرات نے اپنے ایک بے حد چاہنے والے کو ٹھکرا کر اورنگزیب سے شادی کی' اورنگزیب کی پہلی شادی بھی تڑوائی' اس سے اورنگزیب کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ جواہرات نے اورنگزیب کو دو بیٹے دیے۔ دولت دی۔ مگر اب وہ ایک دوسرے سے بےزار آ چکے تھے۔''

''تمہیں یہ سب کیسے پتہ ہے؟''

میری مسکرائی۔ ''بے وقوف لڑکے' میں اس گھر کی ملازمہ رہی ہوں' مالک سمجھتے ہیں جیسے ہماری زبان نہیں' ویسے ہمارے کان بھی نہیں ہیں' مگر ہم ہر کھانے پہ' ہر چائے پہ موجود ہوتے ہیں۔ گھر کے سارے راز ہمارے سینوں میں دفن ہوتے ہیں۔''

''واہ۔ خیر' کیا چیز تمہیں ڈسٹرب کرتی ہے؟''

''وہ رات جب اورنگزیب کاردار کی موت ہوئی۔'' اس نے جھرجھری سی لی۔ ''شاید اندر سے میں خود اتنے برس مسز کاردار کی محبت بھری ایک پکار کی منتظر رہی ہوں۔ اس رات زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ انہوں نے مجھ سے مسکرا کر بات کی تھی۔ میں اوپر ہاشم کی بالکونی میں پودے دیکھ رہی تھی' ساتھ فون پہ اپنے بیٹے سے بات کر رہی تھی۔'' وہ یاد کر کے بتا رہی تھی۔ ''وہ نیچے اپنے باتھ روم کے دروازے سے' جو پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا' باہر نکل رہی تھیں۔ ان کو سردی میں دیکھ کر مجھے فکر ہوئی' میں نے ان کو کچھ گرم اوڑھنے کا مشورہ دیا۔ وہ مسکرائی تھیں۔ پھر مجھے اورنگزیب کے لئے کافی لانے کا کہا۔ سب اچھا تھا۔ مگر کچھ وقت بعد اورنگزیب صاحب کی موت...'' جھرجھری لی۔ ''اس کے بعد سعدی وہ کبھی بھی میرے ساتھ اچھی نہیں رہیں۔ ہر وقت ترش اور خفا۔ سعدی میں نے گیارہ سال ان لوگوں کی خدمت کی۔ مگر ان

میں سے کسی نے گیارہ منٹ انٹرنیٹ پہ میرے بیٹے کے کیسز کو سرچ نہیں کیا۔ صرف تم نے احساس کیا تھا میرا۔ کاش میں نے تمہارے آگے اس قصر کا دروازہ کبھی نہ کھولا ہوتا۔"

"میری!" وہ ہمدردی سے آگے ہوا۔ "تم اس رات کو اس لئے بار بار دیکھتی ہو کیونکہ تم نے اورنگزیب کا دار جیسے اپنے ایک حمایتی کو کھویا تھا۔ تم دل سے چاہتی ہو کہ وہ واپس آ جائیں۔ اور کچھ نہیں۔"

"کیا میرے خواب کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، جوزف؟" اسے مایوسی ہوئی۔

"اگر ہم قدیم مصر کے قید خانے میں ہوتے اور میرے ساتھ فرعون کی کنیز قید ہوتی تو تمہارا خواب بہت قیمتی ہوتا، اس کے بدلے میں یا تو تمہیں سزائے موت دی جاتی اور پرندے تمہارا سر نوچ کھاتے، یا تم ایک دفعہ پھر سے شاہی محل جا کر ملکہ اور اس کے بیٹوں کی خدمت کرتیں۔ مگر نہ میں جوزف ہوں، نہ مجھے خواب کی تعبیر بتانی آتی ہے، میں تو تمہارا دل ہلکا کرنا چاہتا تھا۔"

میری نے غیر مطمئن انداز میں سر ہلایا مگر اٹھتے ہوئے وہ ناخوش لگ رہی تھی۔ شاید یہ کچھ اور تھا جو اسے ہمیشہ سے الجھاتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں اپنے ڈوبنے کی علامت کے طور پہ

دریا میں اک آدھ بھنور چھوڑ جاؤں گا

جسٹس سکندر کے ڈرائنگ روم میں زرد بتیاں جلی تھیں۔ ٹی وی اسکرین پہ مسلسل وہی خبر چل رہی تھی۔ سامنے ٹہلتے جسٹس صاحب نے غصے سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا۔ پھر ہاشم کو دیکھا جو ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا تھا، بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا رکھا تھا اور ناخوشی کے باوجود خود کو پرسکون رکھے ہوئے تھا۔

"میرا گھر سے نکلنا تک عذاب کر دیا ہے رپورٹرز نے۔ آپ کو تو کسی نے یہاں آتے نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔ خاور نے کالونی خالی کروائی تھی پولیس سے۔" ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔ تبھی خاور اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند کیا اور جسٹس صاحب کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"یہ سب نہ ہوا ہوتا سر اگر آپ بیس مئی کو مجھے پوری بات بتاتے۔ آپ نے بتایا کہ سعدی آپ کو آپ کے بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات اور آپ کے افیئر کی تصاویر کے ساتھ بلیک میل کر رہا ہے جو اسے آپ کے کمپیوٹر سے ملی تھیں۔"

"یہ سچ ہے۔ اس نے میرے کمپیوٹر کے ری سائیکل بن سے مٹائی ہوئی چیزیں نکال لی تھیں۔" وہ سچ کہہ رہے تھے۔

"اور ویڈیو؟ اس ویڈیو کا کیوں نہیں بتایا آپ نے؟"

جسٹس سکندر نے سر جھٹکا اور آگے پیچھے ٹہلنے لگے۔ وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آ رہے تھے۔

ہاشم نے قدرے ٹھنڈے انداز میں پکارا۔ "وہ ویڈیو سعدی کو کہاں سے ملی تھی۔"

''میں نہیں جانتا...''

''کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ اب کس کس کے پاس ہوگی؟ کیونکہ میرے خیال میں یہ فارس غازی کا کام ہو سکتا ہے۔'' ہاشم پر یقین تھا۔

''اونہوں۔'' جسٹس سکندر نفی میں سر ہلاتے سامنے صوفے پہ بیٹھے۔ ''وہ دماغ سے نہیں' ہاتھوں سے سوچتا ہے' اتنی لمبی پلاننگ وہ نہیں کر سکتا۔''

ہاشم اور خاور نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ہاشم نے گہری سانس لی۔ ''وہ میرا کزن ہے' میں برسوں سے اس کو جانتا ہوں' یہ اسی کا کام ہے۔''

''اس لڑکے نے کہا تھا کہ یہ ویڈیو صرف اس کے وکیل کے پاس ہوگی' اگر سعدی کو کچھ ہوا تو وکیل اس کو ریلیز کر دے گا۔'' خاور نے چونک کر انہیں دیکھا۔ ہاشم کے بھی ابرو بھنچے۔

''کون ہے اس کا وکیل؟''

''زمر یوسف نہیں ہے' کوئی اور ہے۔''

''تو سر اس نے چار ماہ انتظار کیوں کیا؟'' خاور کو الجھن ہوئی۔ ''اگلے ہی دن ویڈیو کیوں نہ ریلیز کر دی؟''

''وہ (گالی) میرے ہائیکورٹ جج بننے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں کوئی عام جج نہیں ہوں' میرا بھائی سیکرٹری ہے' سیاسی خاندان ہے میرا۔ اور اب اس (گالی) کی وجہ سے مجھے استعفیٰ دینا پڑ رہا ہے۔ مجھے نہیں پتہ ہاشم' لیکن لڑکا تمہارے پاس ہے' اس سے پوچھو کہ ویڈیو کس نے ریلیز کی ہے' اس سے پوچھو ورنہ اگر میں ڈوبا تو یاد رکھنا' تم سب کو لے ڈوبوں گا۔'' وہ غصے سے انگلی اٹھا کر کہہ رہے تھے۔ ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر دھیرج کا اشارہ کیا۔

''آرام سے یور آنر۔ ہارون عبید اور ہاشم کاردار جیسے دوستوں کی موجودگی میں آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔''

مگر واپس کار میں بیٹھتے اس نے خاور سے کہا تھا۔

''سعدی سے اس وکیل کے بارے میں پوچھنا ہوگا۔''

''آپ کو نہیں سر' مجھے پوچھنا ہوگا۔'' خاور سختی سے بولا تو ہاشم نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔

''جو بھی پوچھنا منہ زبانی پوچھنا۔ اسے کسی قسم کا ٹارچر مت دینا۔'' خاور اس بات سے شدید کوفت کا شکار ہوا مگر خاموش رہا۔ اسے فارس سے زیادہ وکیل پہ شبہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں جب بھی عالمِ حیرت میں آئینہ دیکھوں؟

ہزار نیزوں پہ اپنا ہی سر نظر آئے

انیکسی پہ دم توڑتے ستمبر کی وہ رات قدرے حبس آلود اتر رہی تھی۔ نیچے تہہ خانے میں زمر چند کاغذات کھول کھول کر دیکھ رہی تھی' اور فارس ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے فون پہ بات کر رہا تھا۔ حنین انگلی سے میز پہ لکیریں بنا رہی تھی۔

''خلجی صاحب نے بھی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ سعدی کا وکیل کون تھا۔'' فارس نے فون رکھا تو زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ بلیک پینٹ پہ گرے شرٹ پہنے، وہ چھوٹے کٹے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے الجھا الجھا لگ رہا تھا۔ ''ہو سکتا ہے فارس، سعدی نے جھوٹ بولا ہو اس کا کوئی وکیل نہ ہو۔''

''نہیں' اس نے کسی کو تو بتایا ہو گا۔'' وہ مطمئن نہیں تھا۔

حالانکہ بھائی کو یہ سب ہمیں بتانا چاہیے تھا۔ حنین نے صرف سوچا، مگر شاید اس کا ذمہ دار سعدی نہیں وہ اور زمر تھیں۔

''وڈیو کی فارنزک جلد آ جائے گی۔ جج مستعفی ہو جائے گا مگر وہ کبھی گرفتار نہیں ہو گا' وڈیو جعلی اور اوسی پی کی موت طبعی قرار دے دی جائے گی۔ کچھ دن بعد میڈیا نیا ایشو پکڑے گا اور اس کو سب بھول جائیں گے۔ ویلکم ٹو پاکستان!''

''ابھی تک سوائے پولیس کے' کوئی کھل کر جج کی حمایت میں سامنے نہیں آیا۔ دیکھتے ہیں...'' ان دونوں کی باتوں سے حنین کو بوریت ہونے لگی تو اوپر چلی آئی۔

کل عید تھی۔ اس دفعہ حنین نے نئے کپڑے نہیں لئے تھے۔ امی سعدی کے لئے بھی نئے کپڑے نہیں لائی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں۔

وہ کچن کی گول میز پہ آ بیٹھی۔ لاونج میں ٹی وی چل رہا تھا اور بڑے ابا قریب بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ندرت اس کے ساتھ آ بیٹھیں۔

''شبنم باجی کے ہاں سے کارڈ آ گیا ہے۔ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں ان کے بیٹے کی شادی ہے۔ سوچ رہی ہوں ولیمہ بھگتا آوں ذکیہ خالہ اور سارہ کے ساتھ۔''

''امی' آپ کا جانا ضروری ہے کیا؟'' وہ سوچ میں ڈوبی بولی۔ بڑے ابا نے چونک کر کتاب سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اے لو۔ ضروری کیوں نہیں؟ خاندان کا معاملہ ہے۔ پھر کچھ دینا دلانا بھی پڑتا ہے۔''

''اُف امی' پوری بات تو سنیں۔'' وہ جھلائی۔ ''آپ کا بھی شائستہ خالہ سے وہی رشتہ ہے نا جو فارس ماموں کا ہے؟''

''ہاں تو؟''

''تو ماموں سے کہیں نا کہ وہ چلے جائیں۔'' ابا اسے دیکھتے زیرِ لب مسکرائے۔ مگر ندرت نہیں سمجھی تھیں۔

''اس کو کیوں تنگ کروں حنین؟ وہ بے چارہ پہلے ہی کام میں مصروف رہتا ہے' اس کے پاس وقت کہاں ہوتا ہے۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں امی۔ ان کے پاس وقت نہیں ہوتا' کیونکہ وہ پچھلے چار ماہ سے سعدی بھائی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ امی' وہ لوگ اپنی شادی کے بعد ایک دفعہ بھی باہر کھانا کھانے نہیں گئے۔ کبھی ساتھ گھومنے نہیں گئے۔ سعدی بھائی کے ساتھ یہ سب انہوں نے نہیں کیا۔ پھر ہم

کیوں سارا بوجھ ان دونوں پہ ڈال دیں۔ اور ان کو کوئی اسپیس ہی نہ دیں۔''

ندرت چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ ''مجھے تو خیال ہی نہیں آیا۔''

''مگر مجھے تو آ گیا نا۔ اب سنیں۔'' پُر جوش سی رازداری سے کہنے لگی۔ ''آپ کہہ دیں ماموں سے کہ آپ کے گھٹنوں میں درد ہے' اور آپ نہیں جا سکتیں سو وہ چلے جائیں۔ آگے سے وہ کہیں گے' اچھا میں حنین اور سیم کو ساتھ لے جاتا ہوں۔ آپ کہنا' کوئی ضرورت نہیں' اپنی بیوی کو لے کر جاؤ۔ وہ کچھ نہیں کہیں گے' بلکہ صرف زمر پھپھو کو دیکھیں گے' وہ خود ہی کہہ دیں گی کہ میرا تو کورٹ میں فلاں کام ہے' آپ کہنا' ہفتہ کی شام کون سا کورٹ ہوتا ہے؟ پھر دو تین جذباتی ڈائیلاگ بولنا کہ میر اسعدی ہوتا تو وہی چلا جاتا' ساتھ آنکھوں میں آنسو بھی لے آنا جیسے دادی کے سامنے ایکٹنگ کرتی تھیں ویسے ہی' بس پھر دونوں مان جائیں گے۔'' چٹکی میں مسئلہ ہی حل کر دیا حنین نے۔ ندرت کا بس جوتے پہ ہاتھ جاتے جاتے رہ گیا۔ بڑے ابا مسکرا کر کتاب پڑھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد کھانے کی میز کے گرد سب بیٹھے تھے اور خاموشی سے کھانا کھایا جا رہا تھا۔ تبھی ندرت نے بات چھیڑی۔

''فارس۔ شبنم باجی کے بیٹے کا ولیمہ ہے اگلے ہفتے۔ تمہارا الگ کارڈ بھیجا ہے۔''

اس نے لقمہ لیتے ہوئے محض سر ہلا دیا۔

''میرے گھٹنوں میں بہت درد ہے آج کل' ایسے کرو تم چلے جاؤ' صرف چند گھنٹوں کی ہی تو بات ہے۔'' فارس نے رک کر انہیں دیکھا۔ بڑے ابا مسکرا کر چہرہ جھکائے ہوئے تھے۔

''میں؟''

''میں نہ کہتی مگر جانا ضروری ہے' اچھا نہیں لگتا۔''

''اچھا۔'' فارس کی نظریں حنین کی طرف اٹھیں۔ ''حنہ اور سیم کو ساتھ بھیج دیں پھر...''

بے خبر سیم کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''ہیں؟ سچی؟ کب جانا ہے؟'' حنین نے زور سے اس کے پاؤں پہ اپنا جوتا مارا' اس کی بولتی بند ہوئی' پھر بے چارگی سے فارس کو دیکھا۔ ''سوری ماموں' میرے ایگزامز ہیں۔''

''ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے' انہوں نے تمہیں زمر کے ساتھ بلایا ہے' تو تم دونوں میاں بیوی چلے جاؤ نا۔''

زمر نے نوالہ منہ میں رکھتے چونک کر انہیں دیکھا۔ پھر فارس کو۔ اس نے بھی زمر کو دیکھا تھا۔ پھر سنبھل کر بولی۔

''بھابھی' میں ضرور جاتی' مگر کورٹ میں میری ایک ضروری سماعت ہے اور....''

''ارے ہفتے کی رات کون سا کورٹ ہوتا ہے؟ ویسے بھی اگر میر اسعدی ہوتا تو میں تمہیں کبھی نہ کہتی مگر....''

''ٹھیک ہے' ہم چلے جائیں گے۔'' فارس نے سنجیدگی سے بات ختم کی۔ زمر بھی چپ ہو گئی۔ بڑے ابا مسلسل زیرِ لب مسکراتے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ حنہ نے ابا کو ''میں نہ ہوتی تو اس گھر کا کیا بنتا؟'' والی نظروں سے دیکھ کر فخریہ شانے اچکائے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاتل نے کس صفائی سے دھوئی ہے آستین
اس کو خبر بھی نہیں کہ لہو بولتا بھی ہے

عیدِ قربان بہت سی قربانیوں کی داستان اپنے اندر سموئے کائنات پہ اتری تو اداس موسم میں خوشی سی کھل گئی۔ سعدی یوسف نے اپنے کمرے کی دیوار پہ آج ایک لکیر کا مزید اضافہ کرتے ہوئے ان کو گنا تو معلوم ہوا' اس قید میں اسے چار ماہ اور دو دن بیت چکے تھے۔ دل کے نہاں خانے میں شکوہ پھر سے اٹھا تھا۔ کیا ان چار ماہ میں کسی نے اس کے لئے کچھ نہیں کیا؟ مگر پھر سر جھٹک دیا۔ اور باتھ روم میں آیا۔ کموڈ کے اوپری ٹینک کا ڈھکن کھولا۔ اندر کلنگ فلم (جو سینڈوچ کے اوپر سے وہ اتار کر سنبھال لیتا تھا) میں لپٹی چند چیزیں رکھی تھیں جو اس نے گزرے دنوں میں جمع کی تھیں۔ گارڈ کا لائٹر۔ ایک اسٹیل کا کانٹا۔ کانٹے کے دانتوں کو اس نے لائٹر سے پگھلا پگھلا کر ایک pick بنانے کی کوشش کی تھی' مگر وہ ابھی پوری طرح سے نہ بن پائی تھی۔ اس کو یاد تھا کہ لاک کیسے کھولتے ہیں۔ مگر کیا یہ لاک وہ کھول پائے گا؟ مایوسی اس کے رگ و پے میں پھیلنے لگی۔

پاکستان میں عید کی دوسری شام قصرِ کاردار میں باربی کیو کی مہک پھیلی تھی۔ طویل ڈائننگ ٹیبل پہ ڈنر سجا تھا اور تینوں کاردارز کے ہمراہ ان کے انیکسی والے رشتے دار موجود تھے۔ یہ ڈنر ہاشم کی طرف سے تھا' اور وہ سربراہی کرسی پہ براجمان تھا۔ دوسری سربراہی کرسی پہ فارس بیٹھا تھا۔ ہاشم کی سیدھ میں۔

ڈنر سرو کیا جا رہا تھا' موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ملازم بار بار تازہ اشیاء لا رہے تھے۔ سیم کا دھیان صرف کھانے پہ تھا۔ ندرت جواہرات سے نارمل بات چیت کر رہی تھیں۔ بڑے ابا بھی نارمل تھے۔ نوشیرواں ازلی بےزار سر جھکائے کھانا زہر مار کر رہا تھا۔ فارس اپنی کرسی پہ بیٹھا بے نیاز' مگر اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ سب نارمل تھے۔ سوائے دو لوگوں کے۔

ندرت کے دائیں بائیں بیٹھیں زمر اور حنین۔

زمر تنے نقوش اور سنجیدہ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی۔ گود میں رکھی دوسری مٹھی بار بار بھینچ لیتی لیکن حتی الامکان کوشش تھی کہ آنکھوں میں وہ غصہ نہ نظر آئے جو اندر ابل رہا تھا۔ ذہن میں وہ سارے ماہ و سال چل رہے تھے جب وہ ہاشم کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی رہی، کیسے جواہرات اسے ہسپتال میں دیکھنے آتی تھی، اور وہ کبھی نہ جان سکی کہ یہ لوگ۔۔۔ اُف زمر، یہ ابھی مت سوچو۔

حنین بالکل چہرہ جھکائے آہستہ آہستہ کھا رہی تھی۔ وہ غصے میں نہیں تھی۔ وہ تکلیف میں تھی۔ ہاشم نے اسے ایک دفعہ بھی مخاطب نہیں کیا تھا' اس کا دل جل رہا تھا' لیکن اداکاری جاری تھی۔ (وہ کتنے سکون سے فون پہ سعدی کے سامنے اس امتحانی مرکز والے وکیل کو کال کر کے کہہ رہا تھا کہ وہ حنین کا کیس کھلوا سکتا ہے؟ حنین اس کے لیے کیا تھی؟ ایک بیوقوف لڑکی؟ کاش وہ اس سے نفرت کر سکے، مگر نفرت بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ مگر یہ تو طے تھا کہ وہ اس دیکھے گی نہیں۔ نگاہ کی مالک بنے گی تو دل کی مالک بنے گی۔)

''جسٹس سکندر کے ساتھ بہت برا مذاق کیا گیا ہے' یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے زمر؟'' ہاشم نے جیتے سکون سے مخاطب کیا، زمر نے اتنے ہی اطمینان سے چہرہ اٹھایا۔ فارس بالکل آرام سے کھاتے ہوئے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔

''ظاہر ہے ان کے کسی دشمن کی ہوگی، لیکن نہ یور آنر گرفتار ہوں گے نہ کسی مشکل میں پڑیں گے۔''

''مگر ان کو اپنی کرسی چھوڑنی پڑے گی زمر!''

''تو کیا ہوا؟ وکالت شروع کر دیں گے۔ الیکشن لڑیں گے، ہار جائیں گے۔ ایک قتل ہی کیا ہے نا۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''اُف۔'' جواہرات نے نزاکت سے جھرجھری لی۔ ''کوئی انسان اتنی سفاکی سے کیسے کسی کی جان لے سکتا ہے؟ پتہ نہیں اس کو رات کو نیند کیسے آتی ہوگی؟'' بہت ہی حیرت اور افسوس سے تبصرہ کیا۔ زمر نے گود میں رکھی مٹھی مزید زور سے بھینچ لی۔ ایک کاٹ دار نظر صرف جواہرات پہ ڈالی مگر خاموش رہی۔

''پھپھو کس نے کیا ہوگا ان کے ساتھ ایسا؟'' سامنے بیٹھے سیم نے پوچھا تو زمر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ چودھویں سالگرہ کے بعد سے بڑا ابڑا لگنے لگا تھا۔ قد بھی نکال رہا تھا۔ آواز بھی بھاری ہو رہی تھی۔

''یہ تو جج صاحب کو ہی معلوم ہوگا کہ ان کا دشمن کون ہے۔ مجھ سے پوچھو تو یہ گناہ ہیں جو انسان کا تعاقب کرتے ہیں۔ اب دیکھو۔'' زمر لاپرواہی سے بولی۔ ''ہمارے سعدی کو کسی نے گولیوں سے بھون کر رکھ دیا' ہم نہ سعدی کو ڈھونڈ سکے نہ ان لوگوں کو' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگ چین سے رہیں گے۔ کوئی بھی قتل کر کے بچ نہیں سکتا۔ اس جرم کا گلٹ ہی انسان کی جان کو آ جاتا ہے۔''

نوشیرواں کا پلیٹ میں چلتا کانٹا ساکت ہو گیا۔ جھکے چہرے پہ ایک دم اکتاہٹ اور اذیت نمودار ہوئی۔ ہاشم نے البتہ سر ہلا کر شربت کا سپ بھرتے کہا۔ ''بالکل۔ ایسا ہی ہے۔ ڈونٹ وری سیم' سعدی جلد مل جائے گا۔'' مسکرا کر نرمی سے تسلی دی۔

حنین نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔ پھر گہری سانس لے کر دوبارہ سے کھانے لگی۔ وہ نارمل نہیں تھی، وہ نارمل رہی بھی نہیں تھی۔

''زمر کیا آپ نے جسٹس صاحب کی خیریت پتہ کی؟ ہو سکتا ہے ان کو آپ کی کسی مدد کی ضرورت ہو۔'' ہاشم نے اسے پھر مخاطب کیا۔ فارس نے گلاس لبوں سے لگاتے، ہاشم کی آنکھوں پہ نظریں جمائیں۔

''تمہیں اس جج کی اتنی فکر کیوں ہے ہاشم؟''

ایک دم سے سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ مگر ہاشم کھلے دل سے مسکرایا۔

''تمہاری وجہ سے۔ تمہیں بری کرنے والے جج کی کریڈیبلٹی پہ حرف آئے گا تو اصل پریشانی تو تمہیں ہوگی نا۔'' فارس بس خاموشی سے اس کو دیکھتا رہا، تبھی فیونا کیمرہ لئے چلی آئی۔

''میں فیملی فوٹوز اتار لوں سر؟'' اس نے ہاشم سے پوچھا تھا مگر زمر نے چونک کر اسے دیکھا، پھر اشارہ کیا۔

''ابھی نہیں' کھانے کے بعد۔'' فیونا نے تابعداری سے کیمرہ رکھ دیا۔

''اب ڈیزرٹ پہ توجہ دینی چاہیے۔'' جواہرات نے مسکرا کر ماحول کا تناؤ کم کرنا چاہا۔ ندرت اور ابا سعدی کے ذکر کے بعد خاموش ہو گئے تھے۔ ملازم برتن بدلنے لگے۔ زمر نے موبائل پہ حنین کو ایک ٹیکسٹ کیا۔ وہ ذرا چونکی' لیکن پھر معذرت کر کے صداقت کو کوئی کام یاد کروانے کا کہہ کر چلی گئی۔ تین چار منٹ بعد واپس آ کر خاموشی سے بیٹھ بھی گئی۔

کھانا ختم ہوا اور سب لاؤنج میں جانے لگے تو زمر نے فیونا سے تصاویر اتارنے کا کہہ دیا۔ اس نے تابعداری سے چند تصاویر اتاریں' اور ہر دفعہ کی طرح ان کو ایک کاپی دینے کا وعدہ کیا۔

چائے بھی اسی رسمی' تناؤ سے بھرے ماحول میں پی گئی۔ نوشیرواں ڈسٹرب سا پہلے ہی اٹھ کر جا چکا تھا۔ ہاشم اور جواہرات آخری پل تک میزبانی نبھاتے رہے۔ جاتے سمے زمر سے ملتے ہوئے جواہرات نے ہلکے سے سرگوشی کی۔ ''ہنی، مجھے لگتا ہے تم نے اپنے انتقام کا ارادہ بدل دیا ہے۔''

زمر نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اس ملکہ کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا۔ ''میں کچھ بھی نہیں بھولی۔ فی الحال صحیح موقعے کے انتظار میں اپنے دشمن کے ساتھ ایک چھت تلے رہنے کی پریکٹس کر رہی ہوں۔'' جواہرات نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔

ندرت اور ابا ابھی ہاشم کا شکریہ ادا کر رہے تھے' جب وہ دونوں پہلے ہی نکل آئیں۔ اب برداشت ختم ہو چکی تھی۔

تاریک سبزہ زار پہ چلتے ہوئے حنین دبے دبے غصے سے بول رہی تھی۔

''یہ کس طرح کے لوگ ہیں؟ ان کو خود رات کو نیند کیسے آ جاتی ہے؟''

زمر سر اٹھا کر تاریک آسمان دیکھنے لگی۔ (پتہ نہیں وہ کدھر ہوگا' اس کو عید کا معلوم بھی ہوگا یا نہیں۔)

''پھپھو!'' وہ گھوم کر اس کے سامنے آئی۔ ''میں ان کے کمپیوٹرز کو ہیک کرنے کی کوشش کروں؟ کہیں تو کوئی کانٹیکٹ نمبر ملے گا اس جگہ کا جہاں بھائی کو رکھا ہوگا۔''

''حنین' ہم ابھی کوئی غلطی افورڈ نہیں کر سکتے۔ خاور پکڑ لے گا' اور سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔ ابھی ہم خاموشی سے فارس کو اپنا کام کرنے دیتے ہیں۔ ہاشم کے ساتھ تمام ملوث افراد کا سامنے آنا ضرور ہے۔''

''مگر مجھے بھائی سے بات کرنی ہے۔''

''تم نے ابھی اس سے بات کر لی ہے۔''

وہ چونکی۔ پھر مٹھی میں دبی شے کو دیکھا۔ ''مطلب؟''

''یہ ہر تہوار یا پارٹی پہ ہماری تصویریں کیوں بناتے ہیں؟ پہلے تو اتنا خاص طور پہ نہیں پوچھا کرتے تھے۔ یہ تصویریں وہ سعدی کو دکھاتے ہوں گے۔''

حنین یکدم سُن رہ گئی۔

''وہ چاہیں تو خفیہ طور پہ بھی اتروا سکتے ہیں، لیکن وہ اپنے ساتھ اچھے پوز میں تصویریں بنوانے پہ زور دیتے ہیں۔ تا کہ سعدی کو ذہنی ٹارچر دے سکیں کہ دیکھو، تمہاری فیملی تم سے بے فکر ہو کر اپنی دنیا میں گم ہے۔''

''اوہ!'' اس کے لب سکڑے، پھر آنکھیں یکدم چمکیں۔ ''یعنی ہمیں ان کے فونز ہیک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ان کے ہاتھوں سے، انہی کے ذریعے بھائی کو پیغام بھیج سکتے ہیں، پھپھو!''

زمر نے نرمی سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''تم مجھے صرف زمر بھی کہہ سکتی ہو۔''

حنین ایک دم بالکل ٹھہر گئی۔ منظر دھندلا ہو گیا۔ وہ ایک چھ سالہ بچی کے روپ میں ڈھل گئی جو شرمیلی آواز میں ندرت سے کہہ رہی تھی۔

''بھائی پھپھو کو پھپھو نہیں کہتا، امی۔ میں بھی زمر کہہ لیا کروں؟''

''بیٹا بھائی بڑا ہے، اس کی اور بات ہے، مگر تم تمیز سے پھپھو کہا کرو۔'' شرمیلی آنکھوں کی جوت ایک دم بجھ گئی... دھندلا منظر گم ہو گیا، وہ واپس سبزہ زار پہ کھڑی تھی اور زمر اس کے آگے چلتی دور جا رہی تھی۔ اس کے آدھے بندھے گھنگریالے بال ہلکے ہلکے جھول رہے تھے۔

حنین نم آنکھوں سے مسکرائی۔ ''او کے زمر!'' اور عقب میں ہو لی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عجیب پیشہ روی کے عجیب تر معیار

جو سنگ زن ہے وہ آئینہ گر نظر آئے

ہارون عبید کے اونچے قصر کو گھیرے سبزہ زار پہ شام کی ٹھنڈی ہوا سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ گھاس نم تھی اور اس پہ مور ٹہل رہے تھے۔ آبدار بھی سوچ میں گم، ننگے پاؤں چل رہی تھی۔ چہرہ سرخ اسکارف میں لپٹا تھا۔

دفعتاً وہ رکی۔ آنکھوں کی پتلیوں کو سکوڑا۔ دور سے ایک ملازم ایک گھوڑا لئے چلا آ رہا تھا۔ سفید براق سا ننھا گھوڑا۔ ساتھ ہاشم کاردار چلا آ رہا تھا۔ بلیک سوٹ، جیل سے پیچھے کو سیٹ بال، وجیہہ چہرے کی مسکراہٹ۔ دور سے اس کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ نہیں مسکرائی۔ صرف سوچتی رہ گئی۔

لمحے بھر میں اس کا ذہن چھ سال پیچھے چلا گیا تھا۔

وہ اٹھارہ انیس برس کی تھی تب۔ چہرے کے گرد تب بھی سرخ اسکارف لپٹا ہوتا تھا۔ اور وہ قدم قدم پانی میں چل رہی تھی۔ مڑ کر اس نے ساحل پہ بیٹھے بابا کو دیکھا جو موبائل پہ کسی سے بات کر رہے تھے۔ بیرے ان کی ڈنر ٹیبل سیٹ کر رہے تھے۔ دو سوٹ میں ملبوس افراد اور ایک عورت جسے وہ جواہرات کاردار کے نام سے پہچانتی تھی، ٹیبل پہ بابا سے مل رہے ہیں۔ وہ نظر انداز کیے جانے کا دکھ لیے چلتی رہی۔ پانی اس کے گھٹنوں برابر پہنچ گیا۔ وہ چلتی رہی۔ پھر اس نے پیچھے سے آوازیں سنیں۔ مگر وہ نہیں رکی۔ لبوں پہ شرارتی مسکراہٹ در آئی۔ ستانے کا

شوق۔ وہ چلتی رہی۔ پانی کمر تک تھا جب اس کا پاؤں رپٹا۔ وہ اوندھے منہ گری۔ پانی۔ سرمئی پانی۔ اندر سے سب نیلا۔ سیاہ۔ ہر جگہ پانی۔ بمشکل چہرہ باہر نکالا۔ دھندلا سا نظر آیا کہ گارڈ اس طرف بھاگے آ رہے تھے۔ اس نے ایک شخص کو دیکھا۔ بابا کا مہمان۔ وہ کوٹ اتار کر پرے پھینکتا، پانی میں کودا تھا۔ پھر ہر سو پانی تھا... اگلے مناظر فلیشز کی طرح آبی کی آنکھوں میں چمکے تھے... وہ اسے نکال کر لایا تھا... وہ خود بھی بھیگ چکا تھا... مگر جب آبی کی آنکھ کھلی تو اس نے خود پہ جھکے شخص کو دیکھا تو اسے معلوم تھا کہ اس شخص کی پشت پہ سفید شرٹ پہ ایک ننھی سیپی چپکی تھی۔

اس کے لبوں سے پہلے الفاظ یہی نکلے تھے "گریم ریپر!" (موت کا فرشتہ) وہ گیلے چہرے کے ساتھ ہلکا سا ہنسا۔ "گریم ریپر اتنے قیمتی سوٹ نہیں پہنتے۔" اس نے بابا اور دوسرے چہرے بھی خود پہ جھکے دیکھے۔ مگر وہ اس ایک شخص کو "ملک الموت" نہیں کہہ رہی تھی۔ پھر بھی گزرے ماہ و سال میں، وہ جب بھی آتا اس سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ اسے گریم ریپر ہی کہتی تھی۔ یہ نام اس ایک شخص کے ساتھ نتھی ہو چکا تھا۔ کوئی عجیب سا موت کا احساس بھی اس کے ساتھ نتھی ہو گیا تھا۔

اور آج بھی وہ اس کی سالگرہ نہیں بھولا تھا۔ مسکراتے ہوئے قریب آیا۔

"ہیپی برتھ ڈے، ریڈ!" آبی مسکرائی۔ گھوڑے کے سفید نرم بالوں کو چھوا۔ اعلیٰ نسل کا قیمتی گھوڑا۔

"تھینک یو گریم ریپر! کیسے ہو تم؟" وہ اس سے ہمیشہ بہت تکلف سے ملتی تھی اس کی کالز کا جواب دینا بھول جاتی، سالوں فون نہ کرتی، مگر پھر بھی وہ اسے "تم" کہہ کر پکارتی تھی۔

"میں اچھا ہوں۔ پسند آیا۔" گھوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ آبی نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"بہت زیادہ۔" چند لمحے خاموشی میں کٹے۔ ہاشم نے اسی احتیاط پسندی سے سر کو خم دیا۔ "میں تمہارے بابا کے پاس جا رہا ہوں۔"

"میں بھی آتی ہوں۔" وہ مڑتے مڑتے رکا۔ ذرا چونکا۔ آبی اس طرح کبھی اس کے ساتھ نہیں بیٹھا کرتی تھی۔ اس کے پاس ہاشم سے کرنے کے لئے کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ اگر وہ اس کی برتھ ڈے یاد رکھتا تھا، تو وہ اس کی بیماری میں ضرور حال احوال پوچھنے آتی تھی۔ احسان کا بدلہ احسان۔ اور کچھ نہیں۔ ہاشم کاردار کے لئے یہ رشتہ ایک ایسا کانچ تھا جس کو وہ اپنے سانس کی دھند سے بھی میلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر آج کچھ مختلف تھا۔

وہ اندر ہارون کی اسٹڈی میں آ کر بیٹھا تو خاور ہارون کو سعدی کے بارے میں اپ ڈیٹ کر رہا تھا۔ ہاشم خاموشی سے سنتا رہا۔

دفعتاً دروازہ کھٹکا۔ خاور خاموش ہو گیا۔ آبدار نرمی سے مسکراتی اندر آئی اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ میز کے پیچھے کنٹرول چیئر پہ بیٹھے ہارون، قریب کھڑا خاور، اور سامنے بیٹھا ہاشم... سب اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ معصومیت سے مسکرائی۔ ابھی تک ننگے پیر تھی۔

"مجھے کچھ پوچھنا تھا آپ لوگوں سے۔" سادگی سے گویا ہوئی۔ ہاشم نے "شیور، پوچھو۔" کہہ کر حوصلہ افزائی کی۔

"آپ لوگوں نے اسے کہاں رکھا ہے؟"

''کسے؟'' ہارون کو تعجب ہوا۔

''وہ لڑکا جو مسنگ ہے۔'' باری باری سب کے چہرے دیکھے۔ خاور صرف چونکا' لیکن ہارون مطمئن نظر آئے' اور ہاشم پرسکون۔

''کون سا لڑکا آبدار؟'' ہاشم ناسمجھی سے بولا۔

''ہاشم!'' اس نے آگے ہو کر پرامید نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مجھے پتہ ہے آپ لوگوں نے اسے کہیں رکھا ہوا ہے' آپ کو اس سے اہم معلومات چاہیے ہیں' مگر یہ غلط ہے ہاشم... بابا!''

''آبی تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے بیٹا۔ ہم نے کسی کو کہیں نہیں رکھا ہوا۔''

''اور ہم کیوں کسی کو رکھیں گے' ریڈ؟'' وہ تعجب سے مسکرایا۔ جیسے اس کی کم علمی پہ تاسف ہوا ہو۔

''بس مجھے آپ لوگوں کی باتوں سے شک ہو رہا تھا۔ پلیز اگر ایسا ہے تو اس کو اس کی فیملی کے پاس بھیج دیں پلیز۔ وہ لوگ کتنا پریشان ہوں گے۔''

ہاشم پورے یقین سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''کیا تم ہمیں ایسا سمجھتی ہو کہ ہم یوں کسی کو اس کی فیملی سے الگ کر کے رکھیں گے؟ آبی کیا اتنے سالوں میں بھی تم مجھے نہیں سمجھ سکی؟ کیا تم اپنے باپ پہ بھی شک کر رہی ہو؟''

آبی کے چہرے پہ تذبذب نظر آیا۔ ''آئی ایم سوری' میرا یہ مطلب نہیں تھا' مگر مجھے لگتا ہے وہ آپ لوگوں کے ہی پاس ہے۔ میں اس کے ماموں سے بھی ملی تھی' وہ کہہ رہا تھا کہ وہ لڑکا ایسے ہی نہیں کھویا' بلکہ یہ کسی کرمنل کا کام ہے' جس نے اسے گولیاں مار کر اغوا کر لیا ہے' وہ اتنا ڈیسنٹ آدمی جھوٹ تو نہیں بول رہا تھا نا۔'' ہاشم کے اندر ایک دم غصہ ابلا تھا۔

''اور وہ خود کیا ہے؟ دو قتل کر کے جیل جانے والا؟ اس کی باتیں سن کر تم ہم پہ شک کر رہی ہو؟ آنکھیں کھولو آبدار' فارس غازی خود ایک خطرناک مجرم ہے۔'' غصے سے وہ بولا تھا۔

آبدار اداسی سے مسکرائی۔ پھر آگے ہوئی۔ ہاشم کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ہاشم کاردار۔ پاکستان میں اس وقت ڈیڑھ ہزار سے زیادہ لوگ مسنگ ہیں' میں نے تو کسی کا نام نہیں لیا' پھر تمہیں کیسے پتہ کہ میں فارس غازی کے بھانجے کی بات کر رہی ہوں؟''

ہاشم کے منہ پہ کسی نے کھولتا ہوا تیل پھینک دیا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لئے بالکل گنگ ہو گیا۔ وہ شہری کے ہاتھوں مات نہیں کھا سکتا تھا' وہ صرف انہی کے ہاتھوں مات کھاتا تھا جن سے اسے محبت ہوتی تھی۔

آبدار کے تاثرات بدل گئے۔ معصومیت ناپید ہوئی۔ وہ مسکرا کر پیچھے ہو بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔

''سو ثابت ہو گیا کہ سعدی یوسف نیسکام کا گمشدہ سائنسدان آپ لوگوں کے پاس ہی ہے۔ ویسے میں اس کے ماموں سے نہیں ملی' احمر سے

ان کا ذکر سنا تھا صرف۔'' کندھے اچکا کر بولی۔ ہارون ایک دم غصے سے بولے۔

''جو تمہارا مسئلہ نہیں ہے اس میں تم نہ بولو' آبی۔''

''اچھا ٹھیک ہے ہارون!'' ہاشم نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر ان کو چپ کروایا۔ پھر آبی کو دیکھا۔ اس کی نظریں بھی بدل چکی تھیں۔ ''مجھے معلوم ہے تم فارس کو کچھ نہیں بتاؤ گی کیونکہ تم اپنے باپ کو ایک قاتل کا دشمن نہیں بنانا چاہو گی۔ اب دھیان سے سنو۔'' سنجیدگی سے وہ کہہ رہا تھا۔

''ہاں' وہ ہمارے پاس ہی ہے۔ لیکن ہم اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ وہ سائنسدان ہے' اس کی جان کو خطرہ ہے' چند ماہ کے لئے اس کو منظرِ عام سے غائب کرنا ضروری تھا۔ اور وہ میرا دوست بھی ہے۔ اب بولو اس میں کیا غلط ہے؟'' اس کا لہجہ خشک ہو گیا تھا۔

''مجھے غلط صحیح سے سروکار نہیں ہے۔''

''تو کیا چاہتی ہو تم؟''

''میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''ناممکن!'' ہارون نے سختی سے اسے جھڑکا تھا۔

''تم اس سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟'' ہاشم پوچھ رہا تھا۔

''کیونکہ میں نے اس کے میموریل ڈنر کی ویڈیو سوشل میڈیا پہ دیکھی ہے، اس میں اس کے ڈاکٹر نے تقریر کے دوران کہا تھا کہ وہ لڑکا آپریشن ٹیبل پہ چند لمحے کے لئے مر گیا تھا' مگر پھر اس کو ری کور کر لیا گیا۔ میں NDE سے گزرنے والے مریضوں کا انٹرویو کرتی ہوں' آپ سب کو پتہ ہے۔ مجھے صرف اس کا انٹرویو کرنا ہے۔ آپ کے بقول وہ آپ کا مہمان ہے' قیدی نہیں۔ سو یہ آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔''

''میں تمہیں اس کی جگہ دس اور کیسز لا دوں گا!''

''ہاشم مجھے اسی کا انٹرویو کرنا ہے۔''

'وہ کسی سے بات نہیں کرتا۔''

''میں سائیکو تھراپسٹ ہوں ہاشم' میں اپنے جواب نکلوا لیتی ہوں۔'' خاور نے ذرا چونک کر اسے دیکھا' مگر خاموش رہا۔

''ٹاپک کلوزڈ' آبدار۔ تم اس سے نہیں مل رہیں' اور نہ تم کسی کو کچھ بتا کر اس کی اور ہماری جان خطرے میں ڈالو گی' سمجھیں؟'' ہاشم نے کبھی اس سے اتنی درشتی سے بات نہیں کی تھی۔ آبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ناراضی سے اٹھ گئی۔

ہارون خفا نظر آ رہے تھے' اور ہاشم شدید ناخوش تھا۔ یہ دن اس کے لئے قیمتی تھا' اور یہ آج سعدی کی وجہ سے برباد ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ستارے گر بتا دیتے، سفر کتنا کٹھن ہو گا

پیالے شہد کے پیتے، تلخ ایام سے پہلے

اکتوبر کی پہلی دوپہر سعدی یوسف اپنے کمرے کے باتھ روم میں کھڑا تھا اور آئینے میں کندھے پہ گولی کا نشان دیکھ رہا تھا' گول سا سرخ بھورا نشان جو اب ساری عمر اس کے ساتھ رہے گا۔ اسی وقت دروازہ زور سے پیٹا گیا۔ اس کے ابرو بھینچے۔ باہر نکلا تو ایک دم کسی نے گریبان سے پکڑ کر دیوار سے لگایا۔ سعدی بمشکل سنبھلا تو دیکھا' وہ خاور تھا۔ ہاشم کا پرنسپل سیکیورٹی آفیسر۔

سیاہ کوٹ' بالوں کا کریو کٹ اور سیاہ مونچھوں والا اونچا لمبا' بھرے جسم والا خاور اُس کو دیوار سے لگائے' غصیلی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''تمہارا وکیل کون ہے؟'' سعدی نے اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی مگر خاور ''کومبیٹ'' میں اعلیٰ درجے کی تربیت رکھتا تھا' ذرا سا بھی نہ ہلا۔

''سیدھی طرح بتاؤ' جج والی ویڈیو کس کو دی تھی تم نے؟ کس نے لیک کی وہ؟''

سعدی کے ابرو حیرت سے اٹھے۔ ''وہ لیک ہوگئی ہے؟ گڈ!''

خاور اسے گردن سے دبوچے آگے لایا' اور بڑے سے پانی کے برتن میں اس کا چہرہ جھکایا۔ سعدی نے خود کو چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

''بولو۔ نام بولو وکیل کا۔''

''تم ایکس ملٹری ہونا' خاور۔ کیا رینک تھا تمہارا؟''

خاور نے اس کا چہرہ پانی میں ڈبو دیا۔ چند لمحے رکا' پھر کھینچ کر باہر نکالا۔ اس کا چہرہ بھیگ چکا تھا۔ منہ کھول کر وہ گہرے سانس لے رہا تھا۔

''کون ہے تمہارا وکیل؟''

''تم ہاشم کے جتنے وفادار بن جاؤ' تم کاردار نہیں بن سکتے۔ تم ہمیشہ ان کے غلام رہو گے۔'' خاور نے زور سے اسے دوبارہ ڈبکی دی۔ ساتھ ہی چلایا۔ ''نام بتاؤ مجھے اس کا۔'' پھر باہر نکالا۔ ''ہا'' منہ کھول کر سانس لیتا چہرہ سیدھا کیا۔ آنکھیں بند کیے وہ ہانپ رہا تھا۔

''تم ان کے ساتھ ہوتے ہو' لیکن تم ان کی ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ نہیں سکتے۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے خاور۔ تم ہمیشہ ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہو۔''

''نام بولو ورنہ میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا۔''

اس نے چند مزید ڈبکیاں سعدی کو دیں۔ پھر اس کا رخ اپنے سامنے کیا۔ سعدی کا پورا سر' اور چہرہ ٹپ ٹپ پانی ٹپکا رہا تھا۔ شرٹ بھیگ چکی تھی۔ ایسے گیلے چہرے کے ساتھ وہ ہلکا سا ہنسا۔

''تم نے مجھے ایک تھپڑ تک نہیں مارا۔ ہاشم کاردار نے تمہارے ہاتھ باندھ رکھے ہیں۔ مار بھی لو تو مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکتے۔ میں وکیل کا نام نہیں بتاؤں گا۔'' خاور کا چہرہ سرخ ہوا' اس نے جھٹکے سے سعدی کو بیڈ پہ دھکیلا۔ وہ مسلسل ''تم کاردار نہیں بن سکتے۔ وہ تمہیں کبھی اپنے

ساتھ نہیں بٹھاتے۔'' چلا رہا تھا۔ خاور کوٹ درست کرتے منہ میں کچھ بڑبڑاتا باہر نکل آیا۔ ہاشم کی طرف سے بھجوائی گئی اس کی فیملی کی تصویریں اس نے آتے ساتھ ہی بیڈ پہ ڈال دی تھیں اور وہ اب بھی وہیں پڑی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھنے سے پیڑوں میں بھی سایہ ہمیں نصیب نہیں

میرے سورج کی بھی سب سمتیں تمہاری ہیں

یہ ہوٹل کا وہ فلور تھا جہاں چار سال قبل زمر کو گولی ماری گئی تھی۔ صبح کے اس وقت وہ خاموش اور سنسان پڑا تھا۔ احمر کے کہنے پہ زمر ادھر آ گئی تھی اور اب وہ دونوں لفٹ کے پاس کھڑے تھے۔ احمر بولے جا رہا تھا اور زمر بے توجہی سے سن رہی تھی۔

''گواہوں کے مطابق فارس غازی اس لفٹ سے آیا تھا' لیکن جب میں نے تحقیق کی، یعنی اپنے قیمتی وقت سے چند گھنٹے نکالے، جن کے پیسے میں آپ سے روزِ قیامت مانگوں گا، تو دیکھا کہ ایک گواہ کے بیان میں تضاد ہے۔ اس نے ایک دفعہ کہا کہ غازی اس کے ''ساتھ'' لفٹ سے اترا تھا، مگر ایک دفعہ کہا کہ غازی اس کے ''سامنے'' لفٹ سے اترا۔ اب سامنے دیکھئے۔'' احمر نے جوش سے اشارہ کیا۔ زمر نے بہت صبر سے ادھر دیکھا۔ وہاں ایک اور لفٹ تھی۔ ''یہ پرائیوٹ لفٹ ہے۔ ہوٹل کے مالکان کے لئے یا بہت خاص شخصیات کے لئے۔ سو ہمارا ٹرانی کلیکٹر بھی کوئی ایسی آسامی ہے، جس کے ہوٹل مالکان سے روابط ہیں' وہ یقیناً ادھر سے ہی آیا ہو گا۔ اور...''

زمر نے پرس سے ایک پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''یہ آپ کی ویڈیو ہے' اور فیس بھی۔''

''ارے!'' اس کو تعجب ہوا۔ پیکٹ کھول کر اندر جھانکا۔ پھر مسکرایا۔ ''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی' میں نے کچھ مانگا تھوڑی تھا؟''

''نہیں رکھنی تو واپس کر دیں۔'' فوراً ہاتھ پھیلایا۔ احمر نے جلدی سے پیکٹ اپنے پیچھے کیا۔ منہ بگڑا۔

''کیا آپ کی امی نے آپ کو ہمی انکار کرنا نہیں سکھایا؟'' پھر دوبارہ لفٹ کی طرف دیکھا۔ ''ویسے کام تو ابھی ختم نہیں ہوا۔ آپ ٹرانی کلیکٹر کے بارے میں مزید نہیں جاننا چاہتیں کیا؟''

''نہیں۔''

''آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔''

''تصحیح کیجئے احمر، میں آپ سے بہت کچھ چھپا رہی ہوں۔'' وہ آگے چلنے لگی تھی۔ احمر گہری سانس لے کر اس کے ساتھ ہولیا۔

''آپ کے خاندان میں کوئی ایک بندہ ہے جو مجھے عزت دے؟''

''احمر!'' وہ سنجیدگی سے اس کی طرف گھومی۔ ''کیا ہارون عبید نے آپ کو کوئی ہدایت دی ہے؟ جج صاحب کی مدد کے لئے؟ کیونکہ جس ٹی وی چینل میں ہارون صاحب کے اکثریتی شیئر زہیں، وہ آج کل جج صاحب کی بہت حمایت کر رہا ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہی

تھی۔ احمر چپ ہوا۔ پھر شانے اچکائے۔

''کنسلٹنٹ کلائنٹ پریویلج کے تحت میں اس بات کا جواب نہیں دے سکتا۔''

''اچھا۔ کیا انہوں نے آپ سے کہا ہے کہ کسی اور مشہور شخص کا کوئی اسکینڈل لیک کیا جائے تاکہ یہ اسکینڈل دب جائے؟''

''میں پریویلج کے تحت جواب نہیں دے سکتا۔''

''اوہ مجھے یاد آیا، کیا ہارون صاحب نے بتایا وہ میری بھتیجی کی سالگرہ پہ ہمارے گھر آرہے ہیں؟''

''نہیں تو۔'' وہ حیران سا ایک دم بولا، پھر فوراً چپ ہوا۔ زمر مسکرائی۔

''مطلب کہ پہلے تین جواب ہاں میں تھے۔ تھینک یو احمر!''

''میں نے کچھ بھی نہیں بتایا، اچھا!'' وہ تلملایا تھا۔ (یہ ہوئے پورے ایک ہزار، چھے سو ننانوے درے!)

''ویسے ہارون عبید کا کاروبار کتنے ممالک میں ہے؟'' وہ چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''مسز زمر!'' وہ سنجیدہ ہوا۔ ''وہ میرے باس ہیں، اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں ان کی معلومات آپ کو لیک کروں گا تو آپ غلط ہیں۔''

''اور اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ جو سعدی کے ساتھ ہوا وہ آپ کے ساتھ نہیں ہو سکتا تو آپ بھی غلط ہیں۔ جج صاحب کی ایکسٹورشن میں آپ بھی ملوث تھے، آپ ہمارے ساتھ اس سارے میس میں برابر کے حصے دار ہیں، اس لیے مجھے شام تک وہ لسٹ چاہیے ہوگی۔'' ٹھنڈے اور نرم سے انداز میں وہ بولی تھی۔ احمر ناخوش نظر آنے لگا تھا۔

دور راہداری سے گزرتے ویٹر نے اوٹ میں کھڑے، موبائل سے ان دونوں کی تصویر لی، اور پھر سر جھکائے آگے بڑھتا گیا۔ سیڑھیوں تک پہنچ کر اس نے وہ تصویر ایک نمبر پہ بھیجی اور پھر فون ملایا۔ تیسری گھنٹی پہ ''ہیلو'' سنائی دیا۔

''غازی بھائی، آپ نے مجھے کہا تھا کہ کوئی کام کی بات ہو تو بتاؤں۔'' وہ دبی آواز میں زینے اترتے بتا رہا تھا۔

''ہاں بولو۔'' فارس ڈرائیو کر رہا تھا۔

''ایک نوجوان دو تین دفعہ یہاں آیا ہے، آج پھر نظر آیا، ساتھ میں لڑکی بھی ہے۔ اس نے سب کو یہی بتایا ہے کہ وہ جسٹس ڈیپارٹمنٹ سے ہے اور آپ کے کیس کو ری اوپن کرنے کے لئے چھان بین کر رہا ہے۔ کچھ گواہ اب بھی ہوٹل میں تھے، ان کے انٹرویو بھی کیے ہیں۔ میں نے سوچا آپ کو بتا دوں۔ ان کی تصویر بھی لے کر بھیج رہا ہوں۔'' اور دوسری طرف فارس کے چہرے پہ تناؤ در آیا۔ شکریہ کر کے فون رکھا اور پھر میسج کھولا۔

تصویر پہ نظر پڑتے ہی اس کے ابرو تعجب سے بھینچے۔ کار آہستہ کر کے روکی۔ اچنبھے سے اسکرین کو زوم اِن کر کے وہ تصویر دیکھی۔ بار بار (یہ دونوں میرا کیس ری اوپن...؟) ایک دم سے ڈھیروں تفکر نے اسے آن گھیرا تھا۔ اس نے کار کا رخ موڑ لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ جانتا ہوں جانتے ہو مرا حالِ دل

یہ دیکھتا ہوں دیکھتے ہو کس نگاہ سے

سہ پہر میں احمر واپس ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ آ کر اپنے کیمپئن آفس میں مصروف ہو گیا تھا۔ آبدار اپنے کلینک میں تھی۔ کسی کام سے وہ باہر نکلی تو دیکھا، ملازم ایک شخص کو لان میں لا رہا تھا۔ وہ اسمارٹ اور دراز قد تھا، جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلا آ رہا تھا۔ ملازم نے اسے لان چیئر پیش کی، وہ بیٹھ گیا تو ملازم آبی کی طرف آیا۔

''یہ کون ہے؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''احمر صاحب کے دوست آئے ہیں۔ فارس غازی۔''

آبدار نے ایک دم چونک کر اس طرف دیکھا۔ ''سنو، کچن میں چائے کے لئے بولو۔ اور اگلے آدھے گھنٹے تک احمر صاحب کو خبر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' آہستہ سے کہتی وہ آگے چلتی آئی۔

وہ کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، بے نیاز سا بیٹھا بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ وہ قریب آئی تو فارس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اسٹپ.... احمر؟'' ابرو اچکائے۔

''جی، وہ آتے ہی ہوں گے۔'' آبی نے اپنے چہرے پہ اپنی ازلی معصومیت طاری کر لی۔ اور مسکرائی۔ ''آپ کا بھانجا ہے نا جو مسنگ ہے؟ احمر نے ذکر کیا تھا۔ سعدی یوسف کی یونیورسٹی میں، میں چند ماہ کے لیے گئی تھی، ایکسچینج پروگرام کے تحت۔ وہیں ایک دفعہ دیکھا تھا اسے۔''

فارس خاموشی سے اس لڑکی کی سرمئی آنکھیں دیکھتا رہا۔ زمر نے بتایا تھا کہ ٹھیکیدار کے بقول سعدی کا کی چین لینے آنے والی لڑکی کی آنکھیں ہلکے رنگ کی تھیں۔ سرمئی نیلی۔ (سارہ اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ اس نے ہمیشہ سمجھا تھا کہ وہ گواہ لڑکی سعدی کی عمر کی اس کی کوئی دوست، کوئی کلاس فیلو ہو سکتی ہے۔)

''مجھے اس کے بارے میں بتائیں، کیسے ہوا یہ حادثہ؟'' اس کی خاموشی کے باعث وہ چپ ہوئی، پھر دوبارہ ہمت کی۔

''سوشل میڈیا پہ دیکھ لیں، ساری تفصیل مل جائے گی۔'' لاپرواہی سے کہہ کر اس نے پھر سے گھڑی دیکھی۔ اور ذرا اکتا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ملازم ٹرالی دھکیلتا آ رہا تھا۔

''چائے لیجئے۔'' آبدار نے شائستگی سے پیشکش کی۔

''میں اپنی جیب سے چائے پیتا ہوں صرف۔'' اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تبھی احمر ادھر آتا دکھائی دیا۔ اسے فارس کا میسج مل گیا تھا۔ وہ ذرا حیران تھا۔

''تم ادھر؟''

''مجھے کام تھا، تم کدھر تھے؟ صبح سے کال کر رہا تھا۔'' فارس نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے پوچھا۔ احمر ذرا رکا۔

''ایک کلائنٹ کے ساتھ تھا۔'' احتیاط سے بولا۔

''تمہارے کلائنٹ تو ہارون عبید نہیں ہیں؟''

''وہ کسی دوسری نوعیت کا کلائنٹ ہے۔ لوگ مجھے بہت سے کاموں کے لئے ہائر کرتے ہیں غازی!'' سادگی سے مسکرایا، البتہ ذرا تشویش بھی ہوئی، مگر جب فارس نے محض سر ہلا دیا تو اسے ذرا سکون ہوا۔ پھر خاموش بیٹھی آبی کا تعارف کروانے لگا۔

''یہ آبدار عبید ہیں، ہارون صاحب کی صاحبزادی۔ یہ گریم ریپرز سے obsessed ہیں۔ کلینکل ڈیتھ پہ ریسرچ کر رہی ہیں، لیکن پروفیشنلی یہ ایک ہپنوتھراپسٹ ہیں۔'' ذرا ہلکی آواز میں اضافہ کیا۔ ''وہ جو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے گھڑی لہرا کر ان کو ہپناٹائز کر کے کہتے ہیں کہ الٹے لٹک جاؤ۔''

''احمر صاحب، آپ کی hypnosis کے بارے میں معلومات کافی کمزور ہیں۔'' وہ خفگی سے بولی۔ ''کوئی بھی کسی کو ہپناٹائز کر کے اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروا سکتا۔ یہ صرف فوکس کرنے کے لئے، بری عادتوں کو چھڑوانے کے لئے یا بھولی یادوں کو واپس لانے کے لئے ہوتا ہے۔ ہم سب دن میں کئی بار تنویمی کیفیت کا شکار ہوتے ہیں جب کوئی مووی دیکھتے ہوئے، کوئی کتاب پڑھتے ہوئے، ہم پورے فوکس سے اس میں کھو جاتے ہیں۔ یہ تنویم کی ایک ہلکی شکل ہے۔ اور میں گھڑی دکھا کر لوگوں کو ہپناٹائز نہیں کرتی۔'' وہ ناراضی سے بولتی پلٹ گئی۔

احمر نے سر جھٹکا۔

''جانے دو۔ یہ بھی نارمل نہیں ہے۔ تمہارے خاندان کی طرح۔'' آخری چار الفاظ بس دل میں کہے اور متوجہ ہوا۔ ''کیا کام تھا؟''

''بہت دن سے تمہیں الیاس فاطمی کو ڈھونڈنے کے لیے کہا تھا۔''

''پہلے میں سستی کر رہا تھا لیکن اب کچھ کرتا ہوں کیونکہ مجھے یونہی لگنے لگا ہے کہ تم بے گناہ ہو۔'' وہ مسکرا کر بولتا جا رہا تھا۔ اور فارس متضاد کیفیات میں گھرا اس کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ آسمان پہ سیاہ بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم نے مدت سے الٹ رکھا ہے کاسہ اپنا

دستِ زردار! ترے درہم و دینار پہ خاک!

ان سب سے دور، سعدی یوسف اپنے قید خانے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے قرآن کھلا تھا اور وہ اردگرد سے بے نیاز، اس ٹھنڈی میٹھی سی چھایا کے زیرِ اثر تھا جیسے تپتے صحرا میں بادل کا ٹکڑا ہو جو اس کے ساتھ ساتھ اوپر چل رہا ہو۔

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ وہ تعوذ پڑھ کر النمل اس جگہ سے کھول رہا تھا جہاں سے اس نے ایک روز چھوڑی تھی۔ آج کل بے ترتیب زندگی کی طرح تلاوت بھی بے ترتیب ہوتی جا رہی تھی۔ ہاشم نے سوائے نئے کپڑوں اور کتابوں کے اس کی کوئی ڈیمانڈ پوری نہیں کی تھی، سعدی کی طرف سے بھی اس کے ہر درہم، ہر دینار پہ خاک! قرآن بھی بے ترتیب کر رکھا تھا، کبھی کہیں سے پڑھتا، کبھی کہیں سے۔ بالآخر آج نمل میں ہدہد والے واقعے کو وہیں سے جوڑا۔

''سلیمانؑ نے کہا۔ اب ہم دیکھیں گے (اے ہدہد) کہ تم نے سچ کہا یا ہو تم جھوٹوں میں سے؟ میرے اس خط کو لے جا کر اس کے پاس ڈال دے' پھر ان کے پاس سے ہٹ آ' پھر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔''

''اوہ پیارا ہُدہُد!'' سعدی نے گہری سانس لی۔ ''اسی لیے شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے' وہ چیونٹی' شہد کی مکھی' ہُدہُد اور صرد ہیں۔'' (صرد یعنی لٹورا' اس کا سر بڑا اور پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے' یہ چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے۔) ''میں سوچتا ہوں اللہ تعالیٰ، کہ پہلے سلیمان علیہ السلام نے اس ہُدہُد کی غیر حاضری پہ معقول وجہ نہ پیش کر سکنے کی صورت میں اس کو ذبح کرنے کی دھمکی دے دی' اب وہ بے چارا خبر لے آیا' اتنی لمبی تقریر بھی کر دی' پھر بھی سلیمان علیہ السلام نے کہا دیکھتے ہیں کہ تم سچے ہو بھی یا نہیں۔ کتنے عرصے سے وہ سلیمانؑ کا وفادار جاسوس رہا ہو گا' پھر بھی انہوں نے ایک دم سے اس کا یقین نہیں کر لیا' اور اگر کر بھی لیا تو جتایا ضرور کہ تمہاری تحقیق ضرور کروں گا۔ میں نے بہت سوچا کہ کیوں؟ شاید اس لئے کہ انسان جتنے اہم عہدے پہ ہو' اتنے اس کے دشمن ہوتے ہیں' اتنا اس کو محتاط ہونا چاہیے اور آنکھیں کان بند کر کے کسی کی بات پہ اعتبار نہیں کر لینا چاہیے۔ اور شاید ایک بادشاہ کی بارعب شخصیت کے بھی منافی تھا کہ ایک دم سے اس ہدہد کی تعریف کر دیتے' جیسا کہ میں نے پہلے کہا۔ ڈسپلن ہر ادارے' ہر فوج' اور ہر گھر کے لئے ضرور ہے۔''

پھر اگلی آیت کی طرف متوجہ ہوا۔

''وہ (ملکہ سبا، سلیمان کا خط پانے کے بعد) کہنے لگی، اے سردارو! میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔ (خط کا مسودہ یہ تھا) ''یہ ہے سلیمان کی طرف سے اور یہ شروع ہوتا ہے بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے۔ (بس اتنا کہ) تم سرکشی نہ کرو میرے سامنے اور مسلمان بن کر میرے پاس چلی آؤ۔''

سعدی نے پین سے اس آیت کو انڈر لائن کیا۔ ''ملکہ بھی کیا ملکہ تھی۔ خط کی مہر سے پہچان لیا کہ یہ کسی عام آدمی کی طرف سے نہیں ہے' کنگ سلیمان کی طرف سے ہے۔ سو غرور سے اسے رد نہیں کر دیا' بلکہ اپنے سرداروں کے پاس اسے لے کر گئی اور ان کو پڑھ کر سنایا۔ اس زمانے میں خط بھیجنے والے کا نام پہلے لکھا جاتا تھا۔ مجھے یاد آیا اللہ تعالیٰ، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی بادشاہوں کو خط لکھے تھے' کسی کو صفحے جتنا لمبا' کسی کو صرف دو الفاظ (اسلام قبول کر لو' سلامت رہو گے) اور سلیمان علیہ السلام نے بھی محض دو فقرے لکھے۔ صرف دو فقرے۔ عجب بات ہے، آپ ایک اتنی بڑی ملکہ کو دعوت دے رہے ہیں تو صرف دو فقرے کیوں لکھے؟ مگر اللہ تعالیٰ' یہ دیکھیں۔ ملکہ نے کہا کہ اس کی طرف باعزت خط ڈالا گیا ہے۔ خط پہ شاہی مہر تھی۔ اور وہ کسی قاصد کے ذریعے نہیں ڈالا گیا تھا۔ اسے ایک پرندہ روشن دان سے گرا جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے تبلیغ کے لئے الفاظ سے زیادہ طریقہ اہم ہوتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کو معلوم تھا' کس کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔ مگر ہم آج کے مسلمان' ہم کیا کرتے ہیں؟''

اس کے چہرے پہ افسوس اترا۔ کمرے میں بھی اداسی بکھر گئی۔ ''میرے جیسے لوگ جن کے عقائد قرآن اور صحیح حدیث کے مطابق ہوتے

ہیں اور ہم بدعت سے بچنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں' اور بدعت کو پہچانتے بھی ہیں' ہم جیسے لوگ اپنے ملک میں دن رات ہونے والی بدعتوں کے خلاف کیا کرتے ہیں؟ فیس بک جہادی بن کر لمبے لمبے کمنٹ کرتے ہیں۔ یہ حرام وہ حرام۔ کسی محفل میں بدعت دیکھ لیں تو وہیں شور برپا کیا اور پھر دو فریق بنا کر لڑائی شروع۔ کوئی بدعتی ایس ایم ایس بھیجے تو جواب میں گرما گرم میسج بھیج دیا۔ میں بتاؤں اللہ تعالیٰ' کہ میرے ملک کا ایک بڑا طبقہ بدعتی کیوں ہے؟ وہ بدعتی ہے میرے جیسے قرآن و سنت کے پیروکاروں کی وجہ سے۔" قطعیت سے کہتے اسے بھول گیا تھا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔

"ان بدعتی مسلمانوں کو اگر کسی چیز کا علم نہ تھا' وہ اگر اپنے ماں باپ کے طریقے پہ چل رہے ہیں تو ہمیں تو اس کا علم تھا' ہم نے ان کو کیوں نہیں راہِ راست پہ لانے کی کوشش کی؟ اور اگر کوشش کی تو کیسے؟ ٹوک کر' غصہ کر کے؟ تنقید کر کے؟ خود کو درست ثابت کرنے کی ضد میں بحث کر کے؟ ہم وہ لوگ ہیں جو اندھیرے میں بھٹکتے لوگوں کو چلا چلا کر اندھی کھائیوں سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چلانے سے صرف اتنا ہوگا کہ وہ لوگ ذرا ٹھہریں گے' الجھیں گے' مگر پھر جتنا ان کی آنکھیں دیکھنے کی عادی ہو چکی ہیں' اتنے کو بہت سمجھ کر چلتے جائیں گے۔ اندھیروں میں چیخنا چلانا یا تھوڑی جاتا ہے؟ اندھیرے میں تو دیے جلائے جاتے ہیں۔ روشنی آئے گی تو تاریکی خود چھٹ جائے گی' حق آئے گا تو باطل خود بخود چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ، ہم مسلمان یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ بحث' ضد' اور لڑائی سے کوئی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ علوم الحدیث سیکھنے میں' صحیح' حسن' ضعیف' موضوع حدیث کا فرق جاننے میں' حدیث کی سند' راوی کی شرائط' یہ سب باتیں سمجھنے میں ایک عرصہ لگتا ہے۔ ہم قرآن و حدیث کا علم رکھنے والے خود تو کئی مہینے' اور کئی سال لگا کر دینی کورس کرتے ہیں' ڈپلومے یا سند لیتے ہیں' مگر دوسرے سے یہ امید کرتے ہیں کہ جو بات ہمیں خود کئی برس لگا کر سمجھ آئی ہے' وہ دوسرا شخص چار لائن کے ایک ایس ایم ایس میں سمجھ جائے؟ چلانا آسان ہے لیکن دیے جلانا مشکل ہے۔ امر بالمعروف پہلے آتا ہے' نہی عن المنکر کا دوسرا نمبر ہے۔ آہستہ آہستہ نرمی سے' پیار سے' تحمل سے لوگوں کو تعلیم دی جائے تو وہ ہم سے اچھے سنت کے پیروکار بن سکتے ہیں' لیکن ہم مسلمان یہ تحمل کہاں سے لائیں؟ اللہ کی جنت بہت بڑی ہے' مگر ہم یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ ہمارے فرقے کے علاوہ کوئی دوسرا فرقہ بھی جنتی ہو سکتا ہے؟ یہ الفاظ نہیں ہوتے' یہ طریقہ ہوتا ہے تبلیغ کا جو دلوں پہ اثر کرتا ہے۔ اسی لیے سلیمان علیہ السلام نے الفاظ کی بجائے طریقے کو سحر انگیز رکھا تھا۔ سوری اللہ تعالیٰ میں بھی کچھ زیادہ ہی ایموشنل ہو گیا۔"

تاسف سے سر جھٹکتے اس نے قرآن بند کیا۔ پھر دل سے دعا کی' کہ کاش اس کے پاس بھی کوئی ہدہد ہوتا جو اس کے گھر والوں کا پیغام چونچ میں دبائے اس کی کھڑکی میں آ گراتا' لیکن سعدی کے اس کمرے میں تو کھڑکی تک نہ تھی۔ وہ بھی کس چیز کی امید کر رہا تھا۔ دعا کرتے کرتے اس نے چھوڑ دی۔ اور وہ پیکٹ کھولا جو خاور دے کر گیا تھا۔ اندر عید ڈنر کی تصاویر تھیں۔ وہ ان کو چند دن میں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ سعدی کا دل پھر سے ایک دم خراب ہونے لگا۔

سارہ نے کسی کو نہیں بتایا۔ یہ لوگ مجھے مس بھی نہیں کرتے کیا؟ یہ کیسے ہاشم کے ساتھ ایک میز پہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں؟ اور وہ ان لوگوں

کے لیے پیامبر پرندے کی دعا کر رہا تھا؟...ان سے گلہ کرتے کرتے وہ ٹھہرا۔

یہ حنین اور زمر کی سیلفی تھی' دونوں مسکراتے ہوئے کیمرے میں دیکھ رہی تھیں۔ یہ تصویر اس نے کتنی دفعہ دیکھی تھی لیکن جو آج نظر آیا' وہ پہلے نہیں نظر آیا تھا۔

حنہ کے ہاتھ میں اس کے سیل کے ساتھ وہی سلور پین تھا۔ اوی پی کا پین کیمرہ۔ (زمر نے یہی اسے لانے بھیجا تھا تا کہ وہ اس کیمرے کے ساتھ تصاویر بنوائیں) سعدی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ پھر سے حنہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس نے سیلفی کے لئے دو انگلیوں کی وی بنا کر رکھی تھی۔ پہلی دفعہ سعدی کو لگا وہ وکٹری کی ''وی'' ہے۔

وہ پین حنین کے پاس ہے۔ وکیل نے نہیں حنین نے جج کی ویڈیو لیک کی ہے۔ سارہ نے اس کو اکیلا نہیں چھوڑا' اس نے وہ پین حنین کو دے دیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کی گردن کے بال تک کھڑے ہو گئے تھے۔

(کوئی ناممکن سمجھ کر یوں دعا مانگنا چھوڑا کرتا ہے سعدی؟؟)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دل کہ تیرے لیے بے قرار اب بھی ہے

وہ آنکھ جس کو تیرا انتظار اب بھی ہے

موسم کی بتدریج تبدیلی کے باعث انیکسی کا تہہ خانہ اب اتنا گرم اور پر حبس نہیں تھا۔ زمر ابھی ابھی تھکی ہاری گھر آئی تھی، اور اب لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی حنین راز داری سے اسے بتا رہی تھی۔

''میں نے ہاشم کی سیکرٹری کے ای میل پہ چند لنکس بھیجے تھے، ایک پہ اس نے کلک کر دیا تو اس سے میں نے اس کا سیل فون اپنے کمپیوٹر پہ مرر کر لیا ہے، یعنی وہ جو دیکھے گی وہ مجھے بھی نظر آئے گا، اور ہاشم کا پچھلے چار ماہ کا سارا شیڈیول بھی میں نے حاصل کر لیا ہے۔ اب بتائیں، آپ نے یہ کیوں مانگا تھا؟'' اوپر ٹیوی لاؤنج میں سب بیٹھے تھے، سوائے فارس کے، وہ ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔

''ہم رات کو ڈسکس کر رہے تھے تا کہ ہاشم نے سعدی کو کس جگہ رکھا ہو گا۔'' وہ دبی آواز میں کہنے لگی۔ گزشتہ رات دیر تک وہ یہی بات کرتی رہی تھیں۔ ''اور ہم نے ہر وہ شہر سوچا جس میں وہ اسے لے جا سکتے ہیں۔ لیکن سوچو حنین' وہ لوگ کتنے امیر' کتنے ری سورسز کے مالک ہیں' پرائیوٹ جیٹ' سیکیورٹی گارڈز کی نفری' کیا کچھ نہیں ہے ان کے پاس؟ وہ وقت کے فرعون ہیں۔ وہ لوگ سعدی کو اس ملک میں کیوں رکھیں گے؟ جیسے آج کل کراچی میں لوگ اغوا کر کے افریقی ممالک میں لے جائے جا رہے ہیں' ویسے ہی ہو سکتا ہے کہ وہ سعدی کو بھی کسی دوسرے ملک میں لے گئے ہوں۔''

''اور ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ کون سا ملک ہے؟'' حنہ سنتے ہی پریشان ہو گئی۔

زمر میز کے کنارے بیٹھی' اور مزید آہستہ آواز میں سرگوشی کی۔

''جج کو بچانے آنے والے بھی سعدی کے اغوا کار شمار ہوں گے نا' آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہارون عبید بھی چاہتے ہیں کہ جج کا اسکینڈل دب جائے۔اور ہارون عبید کاردارز کے فیملی فرینڈ ہیں۔''

''نہ صرف فیملی فرینڈ' بلکہ وہ ان کے کارٹیل کے رکن بھی ہیں' اور ایک آئی پی پی (خود مختار بجلی بنانے والے ادارے کے مالک) بھی۔'' حنین نے اسکرین دکھائی۔اس پہ وہ تمام معلومات کھلی تھیں جو اس نے انٹرنیٹ سے اٹھائی تھیں۔ان کی ویب سائیٹس اور سوشل میڈیا وغیرہ سے۔

''بالکل۔اور سعدی ٹھہرا تھر کول کا سائنسدان۔آئی پی پی ز اور تھر کول والوں کا پرانا کلیش ہے۔''

حنین اداسی سے مسکرائی۔اسے یاد آیا وہ دن جب زمر سعدی کی سالگرہ پہ سونی کی پارٹی کا کارڈ لے کر ان کے گھر چار سال کے وقفے بعد آئی تھی (مجھے اتنا عرصہ پتہ ہی نہیں تھا کہ کاردارز کا کاروبار کیا ہے' یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ کارٹیل کیا ہوتا ہے۔سب کچھ تب کتنا مختلف تھا۔)

''فرض کرو ہاشم اور ہارون عبید شریکِ جرم ہیں' تو وہ دونوں بہت آسانی سے کسی بھی ملک سعدی کو لے جا سکتے ہیں۔''

''مگر کون سا ملک' زمر؟''

''اس کے لیے احمر ہے نا!'' اس نے مسکرا کر موبائل کی اسکرین حنہ کو دکھائی۔اس پہ احمر کی ای میل کھلی تھی۔اس میں ایک ممالک کی فہرست تھی، جس کے اوپر لکھا تھا۔''یہ لسٹ میں نے آپ کو نہیں دی۔یہ جو بھی آپ دیکھ رہی ہیں، یہ آپ کا تخیل اور تصور ہے، قوی امکان ہے کہ آپ ایک شیز وفرینک پیشنٹ بن چکی ہیں جو غیر مرئی چیزیں تصور کرتے رہتے ہیں، اس لیے پڑھنے کے بعد اسے مٹا دیجئے گا۔''

''اس لسٹ کا ہم کیا کریں گے؟''

''دیکھو، ہاشم کی رجسٹرڈ اکہتر سے زائد کمپنیز پوری دنیا میں پھیلی ہیں، مگر کہاں کہاں؟ ان ممالک کی فہرست ہمارے پاس نہیں۔لیکن ہارون عبید کے چودہ ممالک ہمیں معلوم ہیں۔وہ سعدی کو کسی ایسے ملک میں رکھیں گے جہاں ان دونوں کا آنا جانا ہو۔''

''تو؟''

''تو مجھے یہ بتاؤ حنہ، کہ ہاشم پچھلے چار ماہ میں کتنے ممالک میں گیا ہے؟''

حنین کی آنکھیں چمکیں۔آگے ہوئی۔چند کیز دبائیں۔ہاشم کا شیڈیول دیکھا۔''چھے ممالک۔'' ذرا مایوس ہوئی۔''چھے ملک بہت زیادہ ہیں۔''

''ہارون عبید کی فہرست کے چودہ ممالک اور ہاشم کے چھے ممالک میں کتنے ملک مشترک ہیں؟''

''تین!'' حنین بھی قدرے پر جوش ہوئی۔فہرست چھوٹی ہوگئی تھی۔

''گڈ۔'' زمر بال جوڑے میں لپیٹتے بولی۔''وہ سعدی کو انہی تین ملکوں میں سے کہیں لے کر گئے ہوں گے۔پہلا ملک کون سا ہے؟''

''امریکہ!''

''اونہوں۔'' زمر نے بالوں میں اسٹک لگاتے نفی میں سر ہلایا۔ ''امریکہ لے جانا ان کے لئے مشکل نہیں مگر وہ اتنا رسک نہیں افورڈ کر سکتے۔ کوئی ایسا ملک ہونا چاہیے جس میں رسک کم ہو۔ دوسرا ملک؟''

''انڈیا۔ مگر یہاں....'' احمر کی لسٹ سے پڑھا۔ ''یہاں ہارون عبید کا کاروبار واجبی سا ہے۔ اور ہاشم صرف ایک دن کے لیے کسی سیمینار میں گیا تھا۔''

''نہیں، انڈیا بھی نہیں۔ بہت خطرناک ہے۔ تیسرا ملک بتاؤ۔''

حنین ذرا غور سے اسکرین کو دیکھنے لگی۔

''اس تیسرے ملک میں ہاشم پچھلے چار ماہ میں کئی دفعہ گیا ہے' یہاں ہارون عبید کا کاروبار بھی کافی زیادہ ہے۔ بلکہ اس ملک کے دارالحکومت میں سمندر کے ساتھ ان کا ایک ہوٹل بھی واقع ہے۔''

''کہاں؟'' زمر دلچسپی سے آگے ہوئی۔

''سری لنکا کا شہر کولمبو۔'' حنین نے یونہی چند تصویریں گوگل کر کے اس کے سامنے کیں۔ وہاں سری لنکا پھیلا تھا۔

پُرنم ہواؤں کا ملک۔ سری لنکا۔

''بالکل، سری لنکا۔'' زمر نے میز پہ ہاتھ مارا۔ ''انسانی اسمگلنگ کے لیے بے حد مشہور ملک۔ نوے فیصد امکان ہے کہ وہ اسے یہیں لے کر گئے ہوں گے۔''

''مجھے تو سو فیصد لگ رہا ہے۔'' حنین ایک دم بے قرار ہوگئی۔ ''زمر' چلیں ماموں کو بتائیں۔''

''حنین!'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''ہم فارس کو ہارون عبید والی بات بتائیں گے' سوائے ہاشم کے ہم ہر بات اسے بتائیں گے' تاکہ وہ ہاشم کے ساتھ باقی سب کو بھی ڈھونڈ نکالے۔ مگر ہم کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس پہ وہ لوگ گھبرا کر سعدی کو مار دیں۔''

''مگر ہم سری لنکا کیوں نہیں جا سکتے؟''

''تمہیں یاد ہے بچپن میں پڑھی وہ کہانیاں جن میں ایک ظالم دیو شہزادی کو اغوا کر کے کالے پہاڑوں پہ لے جا کر قید کر دیتا ہے؟ اور ایک شہزادہ اس کو ڈھونڈنے نکلتا ہے؟ وہ شہزادہ، حنین، کالے پہاڑ پہ نہیں جاتا، وہ ایک جنگل میں جاتا ہے جہاں ایک طوطا ہے، وہ طوطا جس میں اس دیو کی جان ہے، سو جب وہ طوطے کی گردن مروڑے گا تو دیو بھی اس کے قدموں میں آ گرے گا، کالے پہاڑ بھی تباہ ہو جائیں گے اور شہزادی خود بخود آزاد ہو جائے گی۔ سو فارس کو اپنا کام کرنے دو، تم ان فائلز کو کھولنے کی کوشش کرو۔ ہاشم کی جان ان ہی میں ہے۔''

اوپر سے فارس کی آواز آئی تو وہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ وہ گھر آ گیا تھا اور زمر کا پوچھ رہا تھا۔ چند لمحے بعد وہ نیچے اترتا دکھائی دیا۔

اس کے بیٹھنے کے بعد زمر اس کو ''مجھے احمر نے بتایا...'' کہہ کر ہارون عبید کے بارے میں بتانے لگی' اور یہ بھی کہ وہ سعدی کو کسی دوسرے ملک لے جا سکتے ہیں۔ سری لنکا ایک مشکوک ملک تھا۔ فارس بغور اسے دیکھتے سنتا رہا۔

''آپ آج احمر سے ملی تھیں؟'' نارمل سے انداز میں سوال پوچھا۔

''نہیں۔فون پہ بات ہوئی تھی۔'' اس نے جی کڑا کر کہا اور سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔ وہ چپ رہا' مگر جب اٹھنے لگا تو صرف اتنا کہا۔ ''میں ہارون عبید کو چیک کر لوں گا۔ شاید اس کا کوئی تعلق ہو جج سے۔''

''شاید نہیں' یقینا ہے۔ ٹرسٹ می!'' وہ زور دے کر بولی۔ فارس نے چند لمحے غور سے اسے دیکھا۔

'ڈونٹ وری! میں آپ پہ ٹرسٹ کرتا ہوں' اسی لئے زیادہ سوال جواب نہیں کر رہا۔'' اور یہ کہہ کر وہ خود بھی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

زمر کا ذہن ابھی تک سری لنکا میں الجھا تھا۔ فارس اب کل کے لیے اپنی چیزیں تیار کر رہا تھا۔ کل اسے اے ایس پی سرمد شاہ سے اپنے حساب چکانے تھے۔ اذان کی آواز آئی تو زمر سر جھٹک کر عشاء پڑھنے اٹھی۔ پھر ان دونوں کو دیکھا جو اپنے اپنے کمپیوٹرز پہ مصروف تھے۔

''کیا تم لوگوں پہ نماز فرض نہیں؟''

''پڑھتا ہوں ابھی۔'' وہ کچھ پیپرز پرنٹ کر رہا تھا' وہی کرتا رہا۔ حنہ نے ان سنا کرتے ہوئے چہرہ مکمل جھکا لیا۔ زمر کو پتہ تھا کہ ان دونوں نے نہیں پڑھنی نماز۔ وہ گہری سانس لے کر اوپر چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ حسنِ اتفاق ہے یا حسنِ اہتمام

ہے جس جگہ فرات وہیں کربلا بھی ہے

اگلی شام جب شہر پہ جلوہ گر ہوئی تو اس میں اکتوبر کی خزاں آلود اداسی تھی۔ سیاہ بادل آسمان پہ جمع ہو رہے تھے اور گویا مینہ برسنے کو بے تاب تھا۔ ایسے میں جب وہ گھر سے نکلنے لگا تو حنین نے پوچھا تھا۔

''کیا آپ کا جانا ضروری ہے؟'' وہ دونوں داخلی دروازے کے اندر کھڑے تھے۔ فارس نے سنجیدگی سے سر کو خم دیا۔

''نہیں۔ وہ ہوٹل جہاں سرمد شاہ کی خاندانی تقریب ہے' وہاں کیٹرنگ میں میرا بندہ ہے' وہی سب سنبھال لے گا' میں صرف اس کی بربادی دیکھنے جا رہا ہوں۔ ہر ٹیبل پہ موجود ایک زائد ڈش کا ڈھکن جب مہمان اٹھائیں گے تو اندر سے ان کاغذات کا ایک ایک پیکٹ نکلے گا۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور جب اس کے سسر' آئی جی صاحب یہ کاغذ دیکھیں گے' تو اے ایس پی اپنی سب سے بڑی سپورٹ کھو دے گا۔ ایک وہی ہے جو کھل کر جج کی حمایت کر رہا ہے' اس کی تباہی کے بعد ان لوگوں کو خود سامنے آنا پڑے گا۔''

''آپ کا نام تو نہیں آئے گا نا؟'' وہ متفکر ہوئی۔

''حنین اگر تم یہ نہ کہتی تو مجھے یہ خیال ہی نہ آتا۔ میں تمہارا کیسے شکریہ ادا کروں؟'' وہ خفا ہوا۔ حنہ کے ابرو ناراضی سے بھنچے۔

''اچھا نہ بتائیں۔ مجھے پتہ ہے آپ نے الزام کسی اور کے سر ڈالنے کا انتظام کر لیا ہو گا۔'' فارس نے محض شانے اچکائے اور باہر نکل گیا۔ حنہ نے گہری سانس بھری۔ پھر اوپر آئی۔ زمر کا دروازہ کھٹکھٹا کر دھکیلا۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی، ہتھیلی پہ گال جمائے سوچ میں گم تھی۔ حنہ میز کے ساتھ آ کھڑی ہوئی تو وہ چونکی۔

''آپ ٹھیک ہیں؟ آپ کی رنگت آج کل بہت زرد رہنے لگی ہے۔''

زمر نے گہری سانس لی۔ کندھے اچکائے۔

''ہاں، یونہی بدلتے موسم کا اثر ہو گا۔''

''آپ میری طرح ہوتی جا رہی ہیں۔ سست اور 'بے کار۔''

''چھوڑو۔ مجھے بتاؤ فلیش کہاں تک پہنچی۔''

''اس چین والی ویڈیو میں دیکھا تھا' کیسے خاور نے فلیش کے ذکر پہ گردن تن لی تھی۔ اسی نے وہ فائلز encrypt کی ہیں۔ اور وہ ایک بے حد ماہر اور قابل آدمی ہے۔ اس کا فیکٹر کیا گیا algorithm توڑنا میرے لئے ناممکن ہے۔''

زمر کے چہرے پہ بے چینی پھیلی۔ ''یعنی اب ہم وہ فائلز نہیں دیکھ سکتے؟''

حنین مسکرائی۔ ''میں نے یہ نہیں کہا۔ بے شک میں اسے نہیں کھول سکتی۔ لیکن ایک شخص ہے جو اسے کھول سکتا ہے۔ سعدی بھائی کے پاس میرے جیسا دماغ نہیں تھا' اسی لئے وہ اس شخص کے پاس نہیں گئے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ وہ یہ کھول سکتا ہے؟''

''بالکل۔ کیونکہ وہ ماہر ہے اور وہ بہترین ہے۔'' اس بات پہ زمر الجھی۔

''مگر وہ کون ہے؟'' حنہ نے مسکراتے ہوئے چہرہ اس کے قریب کیا۔

''آپ کو' سعدی بھائی کو' سب کو مجھ سے امید تھی کہ میں اسے کھول لوں گی' مگر نہیں زمر۔ اس فلیش ... یہ سارے فساد کی جڑ... اس کو وہی شخص کھولے گا' جس نے اسے مقفل کیا ہے۔ کرنل خاور! میں اس فلیش کو خاور سے کھلواؤں گی۔'' اور یہ کہتے ہوئے وہ اپنے مخصوص نارمل نہیں حنین والے انداز میں مسکرائی تھی۔ زمر نے بے حد تعجب سے اسے دیکھا تھا۔

باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جرسِ گل نے کئی بار بلایا لیکن
لے گئی راہ سے زنجیر کی جھنکار مجھے

اکتوبر کی وہ بارش ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ بھی برس رہی تھی۔ ایسے میں جب آبدار نے اسٹڈی روم کا دروازہ کھولا تو ہارون عبید کے سامنے کرسی پہ کرنل خاور براجمان نظر آیا۔

''بابا آپ نے بلایا؟'' خاور کو نظر انداز کر کے اس نے کرسی کھینچی۔

ہارون قدرے ناخوش نظر آ رہے تھے۔ مگر پھر بھی خاور کو اشارہ کیا۔ وہ آبدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں نے آپ کے والد صاحب سے بات کر لی ہے' وہ راضی ہیں۔ آپ ہمارے سائنسدان سے ملنا چاہتی تھیں' میں آپ کو اس سے ملوا سکتا ہوں۔''

آبی نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ ''اتنی مہربانی کی وجہ؟'' جواب میں خاور سمجھانے لگا۔

''ہمارے ایک دوست کے بارے میں اس لڑکے نے کچھ معلومات کسی وکیل کو دی ہیں۔ وہ شخص ان کا غلط استعمال کر رہا ہے۔ ہم اس لڑکے پہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتے اور پیار سے وہ اس وکیل کا نام نہیں بتا رہا۔ میں نے کاردار صاحب سے بات کی تھی کہ کسی عاملِ تنویم (ہپنوٹسٹ) کے ذریعے نام اگلوا لوں' انہوں نے اجازت دے دی ہے۔ پھر مجھے آپ کا خیال آیا۔ آپ نے کچھ عرصہ فرانزک hypnotist کے طور پہ بھی انگلینڈ میں کام کیا ہے۔ آپ سے زیادہ قابلِ اعتماد عاملِ تنویم میرے پاس کوئی نہیں۔ بدلے میں آپ کو اس کا تجربہ سننے کا موقع مل جائے گا' اور ہمیں ہماری معلومات۔ کیا ہم یہ ڈیل کر سکتے ہیں؟''

آبی نے ایک دفعہ پھر دونوں کو دیکھا۔ یہ پہلی دفعہ نہیں تھا کہ ہارون نے اسے اپنے کسی کاروباری کام کے لیے استعمال کرنا چاہا تھا۔ ''کیا ہاشم کو معلوم ہے کہ آپ مجھے وہاں لے جانا چاہتے ہیں؟''

''نہیں' لیکن آپ راضی ہو جائیں تو میں ان کو بتا دوں گا۔''

''میں راضی ہوں۔'' اس نے گردن اکڑائی۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب وہ ہارون کے کام کے لیے راضی ہوئی تھی۔ ''لیکن آپ ہاشم کو میرے واپس آنے کے بعد بتائیں گے' ورنہ وہ مجھے نہیں جانے دے گا۔''

خاور لمحے بھر کو چپ ہوا۔ ''لیکن ان کو بتائے بغیر...''

''جیسے تم اس کو بتائے بغیر ادھر آئے ہو' اسی طرح تم اس کو بتائے بغیر یہ سارا کام کرو گے۔ وہ میرا قیدی ہے' ہاشم کا نہیں!'' ہارون نے سختی سے کہا۔ آبدار نے اس بات پہ بے اختیار ہارون کو دیکھا۔ انہوں نے قیدی کو مہمان سے بدلنے کی زحمت بھی نہیں کی۔ لمحے بھر کے تامل کے بعد شاہ کا وفادار راضی ہو گیا۔

''شیور۔ مجھے صرف معلومات سے غرض ہے۔'' اور آبدار کو دیکھا۔ ''ہمیں اگلے ہفتے جانا ہو گا۔''

''میں صرف فصیح کے ساتھ جاؤں گی۔'' اس نے اپنے باپ کے پرنسپل سیکیورٹی آفیسر کا نام لیا۔ ''میری رہائش اور روانگی کا بندوبست وہی کرے گا۔''

خاور نے بہت تحمل سے کڑوا گھونٹ پی لیا۔ ''شیور۔ لیکن سعدی کے ساتھ جو بھی بات ہو گی وہ آپ صرف مجھے بتائیں گی۔''

''بالکل۔ میں یہ بہت دفعہ کر چکی ہوں۔'' پھر اسی سنجیدگی سے ہارون کو دیکھا۔ ''پھر کدھر جانا ہے مجھے بابا؟ کس جگہ رکھا ہے آپ نے اپنے قیدی کو؟''

اس کی آواز میں طنز اور آنکھوں میں گلہ.... یہی چیز ہارون کو ناخوش کررہی تھی مگر وہ معلومات زیادہ اہم تھیں۔ سوتحمل سے بولے۔

''کولمبو۔'' انہوں نے سری لنکا کے کمرشل دارالحکومت کا نام لیا۔ آبدار سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹے ہم ابھی تفصیل سے اس بارے میں بات کرتے ہیں، ہم صرف اس کی حفاظت کررہے ہیں۔'' انہوں نے قدرے نرمی سے پکارا۔

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بابا۔'' اور اسی خفگی سے باہر نکل گئی۔ ہارون گہری سانس لے کر رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں اس شان سے ہارا تھا

کہ دشمن جیت کے رویا تھا

ہوٹل کی کھڑکیوں پہ بھی بارش تڑ تڑ برس رہی تھی۔ سرمد شاہ کے بک شدہ ہال میں گہما گہمی تھی۔ تقریب کے لئے پہنچنے والے مہمان لابی سے گزر کر ہال کی طرف جارہے تھے۔ سامنے ریسٹورانٹ میں بیٹھے فارس غازی کو وہ مہمان صاف نظر آرہے تھے۔ اس نے ہاتھ سے تھپتھپا کر اندرونی شرٹ میں موجود پیکٹ کو محسوس کیا، جس میں اے ایس پی سرمد شاہ کی اپنی دوسری بیوی' جو کہ ایک بدنام زمانہ نائیکہ کی بیٹی تھی' کے ساتھ تصاویر موجود تھیں۔ نکاح نامے کی کاپی تھی۔ اور اس گھر کے کاغذات تھے جو سرمد شاہ نے اس لڑکی کے نام سے خریدا تھا۔

فارس کو چند ماہ لگے تھے یہ سب حاصل کرنے میں۔ اسے یہ سب کس نے دیا، اس شخص کا قصہ تم بعد میں سنو گے، ابھی اتنا جان لو کہ سرمد شاہ کی ماں متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر اس کا ماموں' جو آئی جی کے عہدے پہ فائز تھا' وہ امیر بھی تھا اور بارسوخ بھی۔ نہ صرف اس نے اپنی بیٹی (شہزاملک کی بڑی بہن عائزہ) سے سرمد شاہ کی شادی کی' بلکہ اس کا کیریئر بھی بنوایا۔ اس کو اپنے طبقے میں پیر جمانے دیے۔ سرمد شاہ نے ان سب کو شیشے میں اتارا ہوا تھا۔ وہ شیشہ توڑنے کے لئے کنکر فارس کی جیب میں تھا۔

پی کیپ والا سر جھکا کر بیٹھے وہ گزرے سالوں کو سوچ رہا تھا۔ پھر ایک لمحہ بھر یاد پہ حاوی ہونے لگا۔ اردگرد موجود ''حال''، تحلیل ہو کر ماضی میں بدلنے لگا۔۔۔

وہ سفید کرتے میں ملبوس اس کال کوٹھڑی میں تھا۔ اس کے ہاتھ دیوار کے ساتھ اونچے بندھے تھے۔ آنکھیں بند کیے' سختی سے دانت پہ دانت جمائے وہ یوں کھڑا تھا کہ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ چہرے پہ اذیت کے آثار تھے۔ ایک سپاہی یکے بعد دیگرے اس کی کمر پہ ہنٹر سا مارتا تھا۔ سرمد شاہ بھی وہیں کھڑا تھا۔ یونیفارم کی بجائے سفید ٹی شرٹ پہنے وہ پسینے میں تر تھا۔ ایک دم لپک کر فارس کی گردن دبوچی۔

''مجھے تمہارا اقبالی بیان چاہیے۔ غازی!''

''میں نے... قتل... نہیں کیا۔'' وہ بند آنکھوں سے نڈھال سا بولا تھا۔ جواب میں سرمد شاہ زور زور سے چیخنے لگا تھا۔۔۔

ویٹر نے پیالی میز پہ رکھی تو فارس چونکا۔ ماضی تحلیل ہوا۔ وہ ریسٹورانٹ میں بیٹھا تھا' کھڑکیوں پہ بوندیں ہنوز گر رہی تھیں، ماحول نم اور ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ایسے میں اس نے بھاپ اڑاتی کافی کی پیالی لبوں سے لگائی۔

لابی میں سے گزرتے لوگ اب بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بل پے کر کے اٹھا' اور سر جھکائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے چلتا گیا۔ ذہن میں ہر وہ لمحہ گزر رہا تھا، وہ جیل کے اذیت ناک ماہ و سال، اور وہ اس رات ہسپتال میں گزرے چند گھنٹے...جب ان کے ہاتھوں سے اس اے ایس پی نے سعدی کو غائب کروا دیا تھا۔ نفرت، غصہ انتقام، وہ ہر جذبے میں گھرا آگے بڑھتا گیا۔

متعلقہ ہال کے داخلی حصے سے اندر کی رنگارنگ تقریب نظر آ رہی تھی۔ کونے میں رک کر فارس نے' دور کھڑے آئی جی صاحب کے ساتھ بات کرتے سرمد شاہ کو دیکھا۔ وہ سوٹ میں ملبوس تھا' اور مسکرا کر خوش باش سا اپنے سسر کے ساتھ مگن تھا۔ فارس کی تپتی سرد نظریں اس سے ہوتیں' مرکزی دیوار تک جا رکیں۔

''ہپی برتھ ڈے ارسم شاہ۔'' وہاں لکھا تھا۔

ایک دم فارس کی نظروں میں الجھن ابھری۔ اس نے آگے پیچھے دیکھا۔ غبارے' پھول' اور اونچی سی کیک ٹیبل۔ مہمانوں میں جا بجا نظر آتے بچے۔ اور سب سے نمایاں' وہ سیاہ ٹو پیس اور ٹائی میں کھڑا پیارا سا سات سالہ بچہ۔ جو سرمد شاہ کی بیوی عائزہ کے ساتھ کھڑا تھا۔ (تو وہ خاندانی تقریب سالگرہ کی تھی؟)

فارس بالکل سن سا ہو کر اس بچے کو دیکھے گیا۔ بچہ بہت پیارا تھا۔ اس کے ہونٹ گلابی اور آنکھیں کانچ جیسی تھیں۔ شرما کر، مسکرا کر وہ اپنے جیسے کم عمر بچوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ کسی ننھے شہزادے کی طرح۔ اس کی کانچ سی آنکھوں کی معصومیت ایک دم ہر شے، ہر جذبے پہ حاوی ہونے لگی۔

فارس کے تاثرات بدل چکے تھے۔ سرد پن غائب ہوا۔ آنکھوں میں تکلیف سی ابھری۔ پھر ایک دم وہ مڑا۔

ہوٹل کے کچن کی پشت پہ جب وہ پہنچا تو ایک کیٹرر اس کا منتظر تھا۔

''لائیں پیکٹ دیں' میں ارینج کر دوں گا۔'' ادھر ادھر دیکھتے راز داری سے بولا۔

''نہیں۔ ابھی نہیں۔'' وہ بے سکون لگ رہا تھا۔

کیٹرر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''آپ نے ایک مہینہ مجھے تنخواہ دی اس کام کے لئے اور اب؟''

''میں نے کہا نا ابھی نہیں۔ تم جاؤ کام کرو۔'' اور واپس پلٹ گیا۔

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا' بارش مسلسل برس رہی تھی۔ حنین اور زمر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھیں۔ وہ لاک بند کر کے آگے آیا تو پانی میں بھیگا ہوا لگتا تھا۔ جانے کتنی دیر سڑک کنارے بارش میں چلتا رہا تھا۔

حنین اسے دیکھ کر بے قراری سے اٹھی۔ ''کیا بنا اس آدمی کا جس نے میرے بھائی کو ہماری نظروں کے سامنے ہسپتال سے غائب کروایا تھا؟''

فارس نے بس ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ حنین نے ناسمجھی سے زمر کو دیکھا۔ وہ خود بھی چونکی تھی۔ پھر فوراً پیچھے گئی۔

وہ کمرے میں کھڑا گھڑی اتار رہا تھا۔ زمر سامنے آئی۔

''کیا بنا؟''

''میں نے....'' وہ چپ ہوا۔ گھڑی اتار کر میز پہ رکھی۔ پھر پیکٹ نکال کر ساتھ رکھا۔ ''میں نے نہیں کیا۔''

''کیا مطلب نہیں کیا؟'' وہ حیران سی رہ گئی۔

''وہ اس کے بچے کی سالگرہ تھی۔ اس کا بیٹا وہاں موجود تھا۔'' وہ اب صوفے پہ بیٹھا، سر جھکائے جوگرز کے تسمے کھول رہا تھا۔

''تو؟''

''تو یہ کہ وہ ایک سات سال کا بچہ تھا۔'' اس نے جوگرز اتارے۔

''تمہیں اس پہ رحم آ گیا؟'' زمر کو آگ لگ گئی تھی۔ ''کیا تم وہ سب بھول گئے جو اس نے ہمارے خاندان کے ساتھ کیا؟''

''زمر بی بی... میرا دماغ اس وقت خراب مت کریں۔ میں اس بچے کے سامنے اس کے باپ کا کردار نہیں کھول سکتا تھا۔'' وہ ایک دم غصے سے اس کے سامنے آیا۔ ''تقریب میں سارے لوگ اس کے باپ پہ پل پڑتے' وہاں ایسی ایسی باتیں کی جاتیں جن کو وہ بچہ کبھی نہ بھولتا۔ اس کا باپ اس کی ماں سے بے وفائی کر رہا ہے' اس سے جھوٹ بولتا رہا ہے' وہ کبھی نہ بھولتا۔ وہ ساری زندگی کسی محبت' کسی رشتے کا اعتبار نہ کرتا۔ ہر انسان کا باپ اس کے لئے آئیڈیل ہوتا ہے' آئیڈیل ٹوٹنے سے اس کی شخصیت بھی ٹوٹ جاتی ہے۔''

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ کھڑکی پہ بارش تڑتڑ برس رہی تھی۔ زمر نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''تمہاری سوتیلی ماں نے بھی ایسا ہی کیا تھا نا!'' کوئی برف کا اولہ سازور سے کھڑکی پہ گرا تھا۔

''مجھے درمیان میں مت لائیں۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ آنکھیں سرخ ہوئیں۔

''تم خود اپنے آپ کو درمیان میں لائے ہو۔ جو سرمد شاہ نے کیا' وہ اس کے ذمے ہے۔ اس کے بچے کو کبھی نہ کبھی پتہ چل جائے گا۔ یا تم اسے معاف کر رہے ہو؟''

''میں کسی کو معاف نہیں کر رہا۔ صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ یہ چیز کسی اور طریقے سے کسی اور وقت کی جاسکتی ہے۔ بعد میں وہ اپنے بچے کو کیسے ڈیل کرے' یہ میرا مسئلہ نہیں ہے' لیکن آج کی اہانت کی وجہ میں نہیں بننا چاہتا۔ میرا انتقام میری بیماری نہیں ہے' نہ اس نے مجھ سے میری انسانیت چھینی ہے۔'' وہ مڑا اور خشک کپڑوں کے لیے الماری کھول لی۔

زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ ''تم غلطی کر رہے ہو اور تم اس کے لئے بہت پچھتاؤ گے۔''

وہ نظر انداز کر کے کپڑے نکالنے لگا۔ بارش کی تڑتڑاہٹ مزید تیز ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاتل مرا نشاں مٹانے پہ ہے بضد

میں بھی سینا کی نوک پہ سر چھوڑ جاؤں گا

موسم اگلے چند دن ویسا ہی ٹھنڈا رہا، مگر پھر آہستہ آہستہ بارش کا اثر ختم ہو گیا۔ حبس اور گرمی واپس آ گئی۔ البتہ آزاد کشمیر کی طرف جاتی اس پہاڑی بل کھاتی سڑک پہ اب بھی ٹھنڈی چھایا سی تھی۔ ایک لش چمکتی کار وہاں دوڑ رہی تھی۔ نوشیرواں کار دار اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے موجود تھا۔ آنکھوں پہ برانڈڈ گلاسز لگے تھے، کلائی میں قیمتی گھڑی۔ منہ میں چیونگم چباتا وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

ڈیش بورڈ پہ ڈالے فون کی اسکرین دفعتاً چمکی۔ اس نے اسے اٹھایا۔ اسد کا پیغام تھا۔ سب دوست کشمیر پہنچ چکے تھے، اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ ''میں دوپہر تک پہنچ جاؤں گا'' لکھ کر پیغام بھیجا اور پھر سے ڈرائیو کرنے لگا۔

یکدم اس نے کار کو بریک لگائی۔ ٹائر چرچرائے۔ خون کی بوندیں ونڈ اسکرین تک اڑ کر آئیں۔ لمحے بھر کو وہ دم بخود رہ گیا تھا۔ لیکن پھر تیزی سے باہر نکلا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ مرنے والا کوئی کتا تھا، اور اس نے اسے بچانے کی کوشش بھی کی تھی، مگر....

باہر آ کر وہ رکا۔ اگلے ٹائروں تلے آیا...وہ کتا نہیں تھا۔

وہ کتے کا بچہ تھا۔ ایک معصوم سنہری لیبراڈار۔

وہ کچلا گیا تھا۔ خون جابجا بکھرا تھا۔ نوشیرواں پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ پریشانی سے اس کو دیکھا۔ پلے کی گردن میں کالر تھا۔ ''آریو'' اور مالک کا نام ''اینڈرس...'' دوسرا لفظ خون میں ڈوبنے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کسی فارنر سیاح کا کتا تھا۔ شاید ہسپانوی۔

نوشیرواں کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے آواز سنی۔ اوپر پہاڑ پہ درختوں سے کوئی عورت پکار رہی تھی۔ ''آریو...آریو''

نوشیرواں نے بجلی کی تیزی سے اپنی ڈیزائنر جیکٹ اتاری، کتے کو اس میں لپیٹا اور بھاگتا ہوا کار کے اندر بیٹھا۔ جیکٹ کی گٹھڑی فرنٹ سیٹ پہ ڈالی اور تیزی سے کار آگے بھگا لی۔ چند کوس آگے جا کر رفتار آہستہ کی۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ خون سے بھرے تھے۔

شیرو کو ایک دم ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اس نے کار روکی۔ اور جیکٹ کی گٹھڑی لئے باہر نکلا۔ سڑک کے دہانے پہ کھڑے اس نے سوچا کہ کتے کی لاش نیچے کھائی میں پھینک دے، مگر وہ اسے نہیں پھینک سکا۔ ٹھنڈی ہوا کے باوجود اس کا جسم پسینے سے تر تھا۔

وہ سڑک کنارے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور خون آلود ہاتھوں سے مٹی کھودنے لگا۔ نرم مٹی بھی نہیں کھودی جا رہی تھی۔ سانس چڑھنے لگا تھا۔ بمشکل، بدقت وہ ایک چھوٹا سا گڑھا کھود پایا۔ پھر جیکٹ کھولی تو اندر ننھا معصوم پلا خون میں ڈوبا مرا پڑا تھا۔

نوشیرواں کے دل کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اپنے چار سو دیکھا۔

ویران پہاڑ، اونچے درخت۔ کھائی۔ کھلا آسمان۔

وہ لاش کو وہیں چھوڑ کر کار میں آ بیٹھا۔ خون آلود ہاتھ، خون آلود فرنٹ سیٹ۔ کپکپاتے ہاتھوں سے دوبارہ کار اسٹارٹ کی۔ اسے گھر جانا تھا۔

(کوئی جانور کو بھی ایسے نہیں مارتا، شیرو! وہ تو پھر انسان کا بچہ تھا۔)

شیرو نے سر جھٹکا اور ایکسلیٹر پہ زور بڑھا دیا۔ وہ ہر جگہ تھا، وہ ہر منظر میں تھا، اس سے فرار ناممکن تھا۔ اور اب گلٹ کا یہ مرض بڑھتا جا رہا تھا۔

چند گھنٹوں بعد قصرِ کاردار میں جھانکو تو نوشیرواں کار گھر کے اندرونی گیراج میں لے آیا تھا' اور اب گارڈ کو ہدایات دے رہا تھا۔ ''اس کو اچھی طرح صاف کرواؤ۔ ایک دھبہ بھی نہ باقی رہے۔''

لاؤنج میں جواہرات تیار بیٹھی تھی۔ بالوں کا جوڑا بنائے' گردن میں دمکتے ہیرے۔ ہاتھ فیونا کے سامنے پھیلا رکھا تھا جس پہ وہ کیوٹکس لگا رہی تھی۔ شیرو کو اس طرح آتے دیکھ کر حیرت ہوئی۔

''تم تو دوستوں کے ساتھ گئے تھے؟ اور یہ کپڑوں کو کیا ہوا ہے؟'' وہ جواب دیے بنا اوپر چلا گیا۔ جواہرات نے چتونوں کے اشارے سے فیونا کو روکا' ہاتھ نکالا' اور اس کے پیچھے اوپر گئی۔

شیرو اپنے کمرے کے ڈریسنگ روم میں' الماریوں کے پٹ کھولے کھڑا تھا۔ چہرے پہ عجیب بے زاری اور بے چینی تھی۔

''تمہارے کپڑوں پہ خون کیوں لگا ہے؟ کیا کسی سے لڑ کر آئے ہو؟'' وہ فکرمندی سے اس کے سامنے آئی۔

''فکر نہ کریں' کسی انسان کو قتل نہیں کیا۔''

''مجھے سچ بتاؤ' شیرو' کس سے جھگڑا کیا ہے؟'' اس نے اسے کہنی سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔ نوشیرواں بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔

''آپ کو لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟''

''تمہاری حالت وہ بتا رہی ہے جو تمہارے الفاظ نہیں کہہ رہے۔'' اب کے وہ سختی سے بولی۔ شیرو نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''کتے کا بچہ تھا وہ ممی' کتے کا بچہ۔'' وہ ایک دم بلند آواز میں بولا۔ ''میں نے غلطی سے اسے مار دیا' مگر میں اس کا خون آلود وجود نہیں دیکھ سکا۔ میں اس کو دفنا بھی نہیں سکا۔ مجھے ہر جگہ اس کا خون نظر آ رہا تھا۔ اس کی مالکن اس کو پکار رہی تھی۔ آریو' آریو۔ وہ آوازیں مجھے پاگل کر رہی ہیں۔'' وہ وحشت سے چلایا تھا۔

''اوکے اوکے!'' جواہرات نے نرمی سے اس کو شانوں سے تھاما۔ ''ریلیکس' کوئی بات نہیں' یہ صرف ایک حادثہ تھا۔ تم ان چیزوں سے بہت اوپر' بہت مضبوط ہو۔ تم ایک کاردار ہو اور .....''

''اور میں ایک بڑے خاندان کا بڑا آدمی ہوں' عظمت میرا مقدر ہے' یہی نا؟ یہی بتاتی آئی ہیں نا آپ مجھے ساری عمر؟'' غصے سے کہنی چھڑائی۔ ''بس کر دیں' نہیں سننی مجھے یہ باتیں اس وقت۔ کیونکہ ممی ..... اب مجھے ان پہ یقین نہیں آتا۔'' برہم سے صدمے سے اسے دیکھتا' کپڑے لئے باتھ روم میں چلا گیا اور دروازہ جواہرات کے منہ پہ بند کر دیا۔

وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ (خیر' وہ نارمل ہو جائے گا۔) اور واپس نیچے چلی آئی۔ اس کی ابھی تیاری رہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں ریگ زار تھا، مجھ میں بسے تھے سناٹے

اسی لیے تو میں شہنائیوں سے ڈرتا رہا

ان سے دور چلے آؤ تو شام کے اس پہر، ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کے بینکوئٹ ہال میں ولیمے کا فنکشن منعقد تھا۔ روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ دلہا دلہن پھولوں سے سجے اسٹیج پہ بیٹھے مسکرا کر تصویریں بنوا رہے تھے۔ نیچے ایک میز کے گرد زمر بیٹھی غیر دلچسپی سے اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے زرد لمبی قمیض پہن رکھی تھی، بال جوڑے میں تھے اور کانوں میں آویزے تھے، موقعے کی مناسبت سے ہلکی پھلکی تیار وہ اچھی لگ رہی تھی۔ فارس ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، مسلسل سیل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ ایک دوسرے سے کٹے کٹے اور بے نیاز۔

تبھی سارہ ادھر آتی دکھائی دی۔ وہ سادگی سے تیار ہوئی تھی۔ ایک بیٹی امل ساتھ تھی، دوسری کو نہ جانے کس وجہ سے ساتھ نہیں لائی تھی۔ ان کو دیکھ کر پھیکا سا مسکرائی۔ زمر بھی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس نے نہیں دیکھا تھا، سر جھکائے سیل پہ لگا تھا، مگر امل نے جیسے ہی اسے دیکھا، ایک دم ماں کی انگلی چھڑا کر آگے لپکی، اور اس کے گلے سے لگ گئی۔ وہ چونکا، مگر... پھر... نگاہ بچی پہ پڑی تو نرمی سے اس کے گرد بازو حمائل کیے، اور اسے خود سے لگائے رکھا۔ سارہ جو زمر سے رسمی کلمات کہہ رہی تھی، ایک دم رک کر دیکھنے لگی۔ آنکھیں گلابی ہوئیں۔

وہ تو بس ایک دفعہ ملنے آیا تھا رہائی کے بعد، اور سارہ نے اسے رکھائی سے خود سے دور رہنے کا کہا تھا، پھر وہ صرف دو دفعہ آئی ان کے گھر (انیکسی میں) مگر صرف تب جب وہ گھر پہ نہیں تھا، کہ فارس غازی کا مطلب تھا "مصیبت"۔ اور امل تو اس سے پتہ نہیں کتنے عرصے بعد مل رہی تھی، پھر بھی اسے وہ یاد تھا؟ امل اب فارس سے الگ ہوئی تو وہ اسے دونوں کہنیوں سے تھامے، مسکرا کر اپنے سامنے کھڑا کیے، پوچھ رہا تھا۔ "تم کیسی ہو امل؟"

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟ میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔" اس نے اپنے ننھے ہاتھ کو فارس کے گال اور تھوڑی پہ پھیرا، جسے فارس نے دونوں ہاتھوں میں تھام کر چوما۔

لمحے بھر کے لئے ان کے اردگرد شادی کا فنکشن غائب ہو گیا۔ وہ چار، ساڑھے چار سال قبل چلے گئے، جہاں قبرستان سے لوگ لوٹ رہے تھے، اور ایک تازہ، کچی قبر پہ وہ کھڑا ہنوز مٹی ڈال رہا تھا۔ اس کا چہرہ ویران تھا، اور آنکھوں میں گلابی سا پانی تھا۔ قبر مکمل طور پہ ڈھک چکی تھی۔ ساتھ پانچ سالہ امل خاموش اور اداس بیٹھی تھی۔ لوگ دور جا رہے تھے۔ نور گھر تھی، وہ الگ مزاج کی تھی، اس کو سارہ نے نہیں آنے دیا، مگر امل کو وہ زبردستی اس کے باپ کے جنازے پہ لے آیا تھا۔

قبرستان تقریباً سنسان ہو چلا تھا۔ سورج اوپر تپ رہا تھا۔ وہ بھی تکان زدہ سا مٹی پہ آ بیٹھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مسلیں۔

"آپ رو رہے ہیں، چاچو؟" امل نے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ فارس نے نفی میں چہرہ ہلایا، زکام زدہ سی سانس اندر کو کھینچی، آنکھوں میں گلابی پانی تھا مگر اس نے ان کو رگڑ لیا، پھر امل کو دیکھا۔

"اپنے باپ کی قبر مت بھولنا کبھی امل۔ اس کو اس لئے مارا گیا کیونکہ وہ ایک سچا آدمی تھا، ایک ایسا آدمی جو ظلم کے خلاف اٹھ سکتا ہو۔ وہ بہادر تھا۔ میں بھی اسی کا بھائی ہوں۔ اللہ کی قسم، میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ وہ سمجھتے ہیں، ہم غریب ہیں، کمزور ہیں، تو ان کا ہاتھ نہیں روک سکتے؟ تم مجھ سے وعدہ کرو، کہ کبھی یہ نہیں سمجھو گی کہ تمہارے باپ نے خودکشی کی تھی، اور میرا وعدہ ہے، میں اس کے ایک ایک قاتل کا سر

تمہارے ہاتھ میں لا کر دوں گا۔'' اسے پتہ تھا امل کو اس کی باتیں نہیں سمجھ آئیں گی، مگر وہ جواب میں کچھ کہہ رہی تھی۔۔۔

قبرستان تحلیل ہو گیا، اور وہ روشنیوں سے مزین اس ہال میں موجود تھے۔ فارس بیٹھا ہوا تھا، اور اس نے امل کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔

''آپ اتنے بزی کیوں ہوتے ہیں؟ جب بھی ماما سے کہوں آپ سے ملنا ہے، وہ کہتی ہیں، چاچو بزی ہیں۔'' وہ اس کے کان کے قریب شکوہ کر رہی تھی۔

فارس نے زخمی نظر اٹھا کر سارہ کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو یہ میرا خون ہے، تم خون میں لکیر نہیں کھینچ سکتی۔ سارہ کا گلا رندھا۔

''تم چاچو کو اتنا مس کر رہی تھیں تو مجھے کہتیں میں تمہیں ملوا لاتی۔'' بیٹی کو مخاطب کیا۔ شرمندگی اور خفت کے ساتھ۔ وہ اتنے سال انگلینڈ رہے، فارس کے ساتھ ایک شہر میں تو صرف چند ماہ رہے، پھر وہ جیل چلا گیا، لیکن ایسے وہ دوڑ کر اس کے پاس آئی تھی جیسے برسوں کا ساتھ ہو۔ یہ خون کیا چیز تھی؟ اس کا رگوں میں بہنا کیسے سب کو جوڑ کر رکھتا تھا۔ اس کا ناحق بہائے جانا کیسے سب کو توڑ دیتا تھا۔

زمر بس خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''سعدی کا کچھ پتہ چلا فارس؟'' اس نے پوچھا تو آواز میں آس بھی تھی، خفت بھی۔ وہ انہی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ امل کو کسی نے بلا لیا تھا سو وہ بھاگ گئی۔

''میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔۔۔۔'' خشک سا کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میز پہ عجیب سا سناٹا در آیا۔ اسے سارہ کا اپنے ساتھ رویہ یاد تھا۔

''تمہیں آئل کمپنیز۔۔۔ یعنی آئی پی پی ز کو چیک کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ان کا اس میں کوئی ہاتھ ہو۔'' سارہ نے خود کو کہتے سنا۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر سر ہلایا۔

''کر رہا ہوں۔'' سارہ اٹھ گئی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے پاس پرائیوٹ نمبر تھا، چاہتی تو خفیہ ایس ایم ایس بھی بھیج دیتی، لیکن وہ جانتی تھی، وہ اس کو ڈھونڈ لے گا، اور زمر اسے کورٹ میں دھکیل دے گی۔

''ہارون عبید والا معاملہ کہاں تک پہنچا؟'' وہ تنہا رہ گئے تو زمر نے ہلکے سے سرگوشی کی۔ اے ایس پی کو وہ اب ڈسکس نہیں کرتے تھے، وہ مانتا نہیں تھا لیکن وہ اس کو معاف کر چکا تھا۔

''ہوں۔ میں ہارون عبید کے پیچھے ہی لگا ہوا ہوں، مگر اتنے دن سے اس کی ایک قابلِ گرفت چیز بھی نہیں مل سکی۔'' وہ کچھ الجھا ہوا تھا۔ ''میں جج، ہارون عبید، اور اے ایس پی کا لنک جوڑنا چاہتا ہوں، الیاس فاطمی کے ساتھ۔ مگر ان تینوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں بن رہا۔''

''یعنی درمیان میں کچھ مسنگ ہے؟''

''درمیان میں ''کوئی'' مسنگ ہے۔ کوئی ایک شخص ہے ان سب کے درمیان۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ سوچ رہا تھا۔ زمر نے تھوک نگلا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔

''کھانا لگ رہا ہے۔'' وہ اٹھنے لگی تو ایک دم اسے چکر سا آیا۔ میز کا سہارا لے کر واپس بیٹھی۔ فارس اپنے فون پہ بٹن دبا رہا تھا، اسے نہیں

دیکھا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے خود پہ قابو پایا۔

''ہم باہر کہیں اور ڈنر کر سکتے ہیں فارس؟'' اُسے اتنے لوگوں میں ایک دم گھٹن ہونے لگی تھی۔ اتنی دور ٹیبل تک جائے گی کھانا ڈالنے تو کہیں گر جائے گی۔ فارس نے اس بات پہ بے اختیار اسے دیکھا اور پھر ہمیشہ کی طرح اس کی بات مان لی۔ ایک دم سے زمر کو احساس ہوا، کہ اسے فارس کو بتا دینا چاہیے۔ اپنی خرابی طبیعت، کڈنی، وہ سب۔ پرس میں ایک رپورٹ بھی تھی، اسے وہ فارس کو دکھا دینی چاہیے۔

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں

جب ان کو زباں ملی تو ہم پہ ہی برس پڑے

کچھ دیر بعد وہ اسی ہوٹل کے ریسٹورانٹ میں ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ وہاں مدھم زرد بتیاں تھیں۔ میز پہ تازہ پھول رکھے تھے۔ موم بتی جل رہی تھی۔ وہ ٹیک لگائے، مسلسل کان کی لو مسلتا' ویٹر کو آرڈر دے رہا تھا اور زمر کے ہاتھ گود میں رکھے پرس پہ تھے۔ فارس کے ساتھ پہلی دفعہ ایسی جگہ پہ ڈنر کرنا۔ بہت آکورڈ تھا۔ تبھی زمر کا فون بجا۔ اس نے فوراً اٹھا لیا۔

''جی صداقت؟ جی ظاہر ہے وہ کپڑے استری کرنے تھے۔ میں نے نہیں بتایا تو آپ کو خود سمجھنا چاہیے تھا۔'' رُک کر خفگی سے سنا۔ ''میں نے وہاں کپڑے نہیں رکھے تھے تو کیا کسی چڑیل نے آ کر رکھے تھے؟ روز اسٹینڈ پہ کپڑے کون رکھتا ہے؟ حد کرتے ہو آپ بھی۔'' بڑبڑا کر فون رکھا تو دیکھا' فارس ذرا چونک کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ نے خود کو ''چڑیل'' کیوں کہا؟''

''مثال دی تھی۔ کیوں؟ کیا ہوا؟'' اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''تم کیوں مسکرا رہے ہو؟''

فارس نے مسکراہٹ دبائے چہرہ جھکا کر نفی میں سر ہلایا۔ ''میں بالکل بھی نہیں مسکرا رہا۔''

وہ فوراً آگے ہوئی۔ ''نہیں سچ سچ بتاؤ۔ تم ایسے صرف تب مسکراتے ہو جب تمہیں کوئی بات معلوم ہوتی ہے اور مجھے نہیں۔'' پھر رک کر اپنی بات پہ غور کیا۔ ''کیا کسی نے تمہارے سامنے مجھے چڑیل کہا ہے؟''

''میرے سامنے کوئی آپ کو چڑیل کہنے کی ہمت کر سکتا ہے کیا؟'' فارس نے سنجیدگی سے اسے تسلی دی۔ زمر کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔ اس کے انداز میں اتنا مان، اتنا اعتماد تھا۔ پرس میں ہاتھ ڈال کر رپورٹ دو انگلیوں سے پکڑی۔ پھر سرسری سا بولی۔

''اس بات کا کیا مطلب تھا جو اس رات تم نے کہی؟'' اسے یقین تھا کہ فارس کو معلوم ہے وہ کس بات کا ذکر کر رہی ہے۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔ ''اس کا مطلب یہ تھا کہ..آپ نے مجھے...سات سال پہلے...قید میں ڈالا تھا۔''

وقت ایک لمحے کے لئے تھم گیا' موم بتی کا شعلہ ہلکا سا ٹمٹمایا۔ پھولوں کی خوشبو آس پاس پھیلی۔ زمر یک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھے گئی۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

"I Fell in Love with You Seven Years ago!"

وہ آرام سے کہہ گیا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی، مگر وہ اس مسکراہٹ کو پہچانتی تھی۔ یہ رومان پرور مسکراہٹ نہیں تھی۔ یہ سرد آگ سی تھی۔

''تم نے مجھ سے شادی کیوں کی فارس؟'' وہ بالکل ساکت سی۔ دم سادھے بیٹھی تھی۔ دو انگلیاں اب بھی رپورٹ پہ تھیں۔

''میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ تیسری وجہ بھی بتائے دیتا ہوں۔'' اس نے لمحے بھر کے لئے بھی زمر کی آنکھوں سے نظریں نہیں ہٹائیں۔ ''میں سات سال پہلے جب اس شہر میں پوسٹڈ ہو کر آیا تھا تو میں نے آپ کی کلاس میں داخلہ لیا تھا۔ یہ تب ہی ہوا تھا۔ مجھے.... آپ سے... محبت ہو گئی تھی۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا مگر یہ نرمی آنکھوں میں نہیں تھی۔ ''میں آپ کے قریب رہنے کے لئے بہانے ڈھونڈنے لگا تھا۔ آپ کے بارے میں ہر چیز جاننے لگا تھا۔ آپ سعدی کی فیس دے رہی ہیں، آپ حنہ کے لئے اپنی چابیاں جان بوجھ کر لئے بھول جاتی ہیں، آپ کو کب سے استھما ہے۔ مجھے بہت کچھ معلوم تھا۔ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ مجھے نوٹس نہیں ملے۔ مجھے ملے تھے۔ میں نے پھاڑ کر پھینک دیے تا کہ آپ مجھے زیادہ وقت دے سکیں۔ مجھے تب احساس ہوا کہ میں مریضِ عشق بنتا جا رہا ہوں۔''

وہ سانس لینے کو رکا۔ وہ بالکل دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

''پانچ سال پیچھے چلتے ہیں زمر۔ میں نے آپ کو وہ ٹوز بن بھیجی، مجھے لگا تھا آپ میری لکھائی پہچان جائیں گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسی لئے جب آپ کی والدہ نے رشتے سے انکار کیا تو میں نے دوبارہ کوشش نہیں کی۔ میں ''آپ'' کے لئے نہیں لڑا۔ میں... آپ کے لئے... نہیں لڑا۔ میرے نزدیک ایک ایسی عورت کے لئے لڑنا بے سود تھا جو میری لکھائی بھی نہ پہچان سکے۔ میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ شادی بھی کر لی، لیکن میرا ایک حصہ پہلے بھی اور آئندہ بھی آپ سے محبت کرتا رہے گا۔ اس ایک حصے کی وجہ سے میں اپنی بیوی سے ویسی محبت نہیں کر سکا جیسی کرنی چاہیے تھی۔ شروع شروع میں، میں اس کے نام کو اپنے بھائی کے نام سے جوڑنے پہ لڑتا تھا، مجھے لگتا تھا یہ صرف اس سے محبت نہ کرنے کا گلٹ ہے، ورنہ اس کے حقوق و فرائض تو میں نے سب پورے کیے تھے۔ ڈانٹتا تھا، مگر بلا وجہ نہیں۔ وہ میری بہت اچھی دوست تھی۔ لیکن جیل کے چار سال میں یہ نہیں سمجھ سکا، اگر میرا اور اس کا تعلق صرف دوستی یا گلٹ کا تھا تو میں اسے اتنا مس کیوں کرتا ہوں؟ محبت تو مجھے آپ سے تھی، مگر آپ کے لئے میں کبھی نہیں لڑا، اس کے لئے پھر بھی لڑ رہا ہوں۔'' فضا میں ایک دم Rebecca de Winters کی مہک پھیل گئی۔ وہ اب بھی سانس روکے ہوئے تھی۔

''مجھ سے شادی کرنے کی تیسری وجہ کیا تھی؟''

وہ اسی طرح زخمی سرد سا مسکرایا۔ ''محبت نہیں تھی۔ اگر محبت کے لئے آپ سے شادی کرنی ہوتی تو ساڑھے پانچ سال پہلے کر لیتا۔ مگر نہیں۔ میں نے آپ سے شادی بھی کی، اور آپ کی ہر بات برداشت کی۔'' کہتے ہوئے وہ آگے کو ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''اس لئے نہیں کہ میں کمزور تھا، محبت میں خاموش تھا، یا یہ میری شرافت تھی۔ ٹرسٹ می زمر، میرا ایک حصہ ساری زندگی آپ کی قید سے نہیں نکل سکے گا، میں آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا، اور میں آپ کو ایک ہزار دفعہ بھی معاف کر سکتا ہوں، مجھے یہ بھی احساس ہے کہ آپ کے ساتھ جو بھی ہوا میری وجہ سے ہوا۔ لیکن....'' وہ رکا۔ وقت بھی رک گیا تھا۔ وہ نمک کا مجسمہ بنی، یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔ ''لیکن میرے اور آپ کے

تعلق، میری برداشت، میری خاموشی، میرا آپ کی پرواہ کرنا، آپ کے زخموں کی مرہم کرنا، محبت اس میں کبھی بھی شامل نہیں تھی۔ میں نے آپ سے غلط کہا تھا کہ میں آخر میں آپ سے اپنا حساب لوں گا، مجھے آپ سے نہ انتقام لینا ہے نہ کوئی حساب۔ لیکن....''

وہ پھر رکا، زمر کا سانس بھی رکا۔

''لیکن جو آپ نے میری ساتھ کیا، میں ایک بات بھی نہیں بھولا۔ آپ سے شادی کی تیسری وجہ یہ ہے کہ....'' چہرہ مزید آگے کیا۔ موم بتی کے ٹمٹماتے شعلے کے پیچھے اس کی پرتپش آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ''میں آپ کی آنکھوں میں گلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ تب کیا کریں گی جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ فارس غازی بے گناہ تھا۔ میں صرف اسی دن کے انتظار میں ہوں، اس دن جب آپ کو سچائی معلوم ہوگی۔ میں اپنی بے گناہی ثابت کرلوں گا اور آپ ٹوٹیں گی۔'' موم بتی کا شعلہ ایک دم بجھ گیا۔ زمر کی انگلیوں نے رپورٹ کو چھوڑ دیا۔ نگاہیں ہنوز فارس پہ جمی تھیں۔

''یہ جو آپ کو بہت غرور ہے نا خود پہ، کہ آپ بہت قابل ہیں، میں یہ غرور ٹوٹے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی آنکھوں میں گلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کوئی انتقام، کوئی انصاف نہیں چاہیے مجھے آپ سے۔ صرف احساسِ ندامت۔ اسی لئے میں نے آپ سے کوئی تعلق جوڑنے کی کوشش نہیں کی، کوئی حق نہیں مانگا، کیونکہ مجھے آپ کے ساتھ رشتہ بنانے میں دلچسپی نہیں رہی۔ وہ وقت کب کا گزر گیا۔ اب ہم صرف پارٹنرز ہیں، ساتھ کام کر رہے ہیں۔ میں آپ سے کبھی نفرت نہیں کر سکتا، اور محبت کرنا چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ لیکن آپ جیسی عورت کے ساتھ میرے جیسا بندہ کبھی بھی ساری زندگی نہیں گزار سکتا۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، لیکن میں آپ کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے صرف اس دن کا انتظار ہے جب آپ میرے سامنے ٹوٹیں گی اور اس دن زمر بی بی میں آپ کو آزاد کر دوں گا، عزت سے طلاق کے کاغذات تھما دوں گا، مگر اس سے پہلے میں آپ کی ہر کڑوی بات برداشت کرتا رہوں گا، محبت یا شرافت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے کہ میں آپ کو آزما رہا ہوں۔ یہی آپ کی سزا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک آپ ایک بے وقوف عورت اور بہت بری وکیل ہیں۔''

موم بتی سرد ہو چکی تھی۔ پھولوں میں ریکا کے ساتھ کافور کی بو بھی رچ بس گئی تھی۔ مدھم بتیاں پراسرار اور خوفناک لگ رہی تھیں۔ وہ بہت سکون سے سرد لہجے میں کہہ کر پیچھے ہوا۔ ویٹر کھانا سرو کرنے آ کھڑا ہوا تھا۔ سزلر پلیٹر پہ گرم اسٹیک شڑ شڑ کر رہی تھی، یوں لگتا تھا زمر کے اندر تک کوئلے دہک رہے ہوں۔ کوئی آس سی ٹوٹ گئی تھی۔

ویٹر ہٹا تو وہ ہلکے سے بولا۔ ''کھانا کھائیے۔ وہ وقت گزر چکا جب آپ کو مجھے سننا تھا۔ تب آپ کو اپنی صحت عزیز تھی۔ حالانکہ مری تو میری بیوی تھی، آپ کو تو ڈونر کڈنی بھی مل گیا۔'' تلخی سے کہہ کر، وہ جو بے خبر تھا، کھانا شروع کرنے لگا، مگر یہ آخری بات.... یہ آخری باتیں زمر کا دل ایسے ہی توڑ دیا کرتی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں سرخی در آئی۔ زور سے پرس کی زپ بند کی اور آگے کو ہوئی۔

''فارس غازی!'' اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''ہزار سال بھی انتظار کرو تو وہ دن نہیں آئے گا۔ میں زمر یوسف ہوں اور اپنی نظروں میں میری بہت عزت ہے۔ زمر... تمہارے سامنے... نہیں ٹوٹے گی۔ کبھی بھی نہیں۔'' پھر اسی تنی گردن کے ساتھ کھڑی ہوئی اور پرس اٹھالیا۔

''کہاں جارہی ہیں آپ؟'' اس نے بند لبوں سے لقمہ چباتے ہوئے تحمل سے پوچھا۔ وہ ویسا ہی مدھم خیال رکھنے والا فارس غازی بن گیا تھا۔

''گھر۔''

''اتنی رات کو آپ کیب سے نہیں جائیں گی۔ تھوڑی دیر رک جائیں میں ڈراپ کر دیتا ہوں آپ کو۔''

زمر سنے بغیر جانے کو مڑی تو وہ کھڑا ہوا اور اس کے سامنے آیا۔

''اچھا آپ کار لے جائیں' میں کیب سے آ جاؤں گا۔'' چابی بڑھائی۔ زمر نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا' پھر چابی جھپٹی اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اسی سکون سے واپس بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھلنے لگے قفلوں کے دہانے

پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن

حنین نے قصرِ کاردار کی چوکھٹ عبور کی تو جواہرات' مکمل تیار' باہر کے لئے چلتی آ رہی تھی۔ حنین مسکرا کر قریب آئی۔

''مسز کاردار' مائی گاڈ' آپ کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں۔'' سادگی اور معصومیت سے تعریف کی۔ جواہرات مسکرائی' نرمی سے اس کا گال چھوا۔ ''مجھے معلوم ہے۔ تم کیسے آئیں؟''

''مجھے خاور سے کام تھا۔ کیا وہ اندر ہیں؟'' پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ''پلیز آپ ان سے میری سفارش کر دیں کہ وہ میرا کام لازمی کریں۔''

جواہرات عجلت میں تھی' پھر بھی اس کے ساتھ کنٹرول روم تک آئی اور چوکھٹ سے حکم جاری کیا' ''خاور' حنہ کو اسسٹ کر دو'' اور چلی گئی۔

اندر چند اسکرینز لگی تھیں۔ ایک لیپ ٹاپ کے سامنے خاور بیٹھا تھا' کام کرتے ہوئے اس نے سر اٹھایا اور قدرے ناخوشی سے حنہ کو دیکھا۔

''ہیلو کرنل خاور!'' وہ دوڑ کر آئی اور سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

''ہیلو حنین۔ کیا کام ہے؟''

''بہت اہم کام ہے۔'' ایک فلیش اس کی طرف بڑھائی۔ ''اس میں میرے دو کورین ڈرامے ہیں۔ ان کو encrypt کر دو۔''

خاور نے گہری سانس لی۔ ''حنین' تم یہ کام خود بھی کر سکتی ہو' پاسورڈ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔''

''مجھے پاسورڈ چھوڑیں' اسٹینڈرڈ RSA تک کا معلوم ہے' مگر یہ سب میری اس دوست کو بھی معلوم ہے جس کو میں ٹرک کرنے جا رہی ہوں۔ سو مجھے ان فائلز کو ایسے encrypt کر کے دیں خاور کہ وہ اسے نہ کھول سکے۔''

''میرے پاس اس وقت بہت کام ہے حنین۔ کسی اور وقت آنا۔'' اکتا کر کہتا وہ واپس ٹائپ کرنے لگا۔

''پلیز کرنل خاور!'' منت کرتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

خاور جواب دیے بنا کام کرتا رہا۔ حنہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''ارے یہ ڈیجیٹل فریم ہے نا'' اچک کر ایک فوٹو فریم اٹھائی۔ ''ان میں ہیری پوٹر کی طرح تصاویر چلتی پھرتی ہیں۔ یہ آپ کے بیٹے کی تصویر ہے؟''

''ہاں۔اسے واپس رکھ دو۔'' اس نے فریم حنہ کے ہاتھ سے لے کر واپس رکھا تو اس نے اچک کر لیپ ٹاپ کے ساتھ رکھی گلاسسز اٹھائیں۔ ''ان میں کیمرہ لگا ہے نا، واؤ یہ میں ایک دن کے لیے اپنی کزنز کو دکھا سکتی ہوں؟'' خاور نے جلدی سے وہ اس سے واپس لی۔

''پلیز حنین کسی چیز کو ہاتھ مت لگاؤ۔'' پھر بمشکل ضبط کرتے ہوئے ایک نظر اپنے سامنے پھیلے کام کو دیکھا' اور دوسری اس پہ ڈالی جو معصومیت سے آنکھیں جھپکاتے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر قدرے خفگی سے فلیش اس سے لی' اور ایک دوسرے کمپیوٹر کی طرف آیا۔ حنہ بھی جلدی سے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

اب وہ خاموشی سے اس کا کام کر کے دے رہا تھا۔

''پاسورڈ ٹائپ کرو۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے کی بورڈ اس کے سامنے کیا۔ اور کسی مہذب انسان کی طرح دوسری طرف دیکھنے لگا۔ حنہ نے ٹائپ کیا' اور سیدھی ہوئی۔ چند منٹ مزید ضائع کیے خاور نے' پھر اس کی طرف گھوما۔

''ہو گیا تمہارا کام۔ اب جاؤ۔''

''مگر میں اسے کھولوں گی کیسے؟''

''اُف۔'' اس نے اکتا کر چند بٹن دبائے اور کی بورڈ اس کے سامنے کیا۔ ''پاسورڈ ٹائپ کرو' کھل جائے گا۔''

''تھینک یو سو مچ۔ کرنل خاور۔'' خوشی سے کہتے ہوئے اس نے ٹائپ کیا۔ پھر مسکراہٹ الجھن میں بدلی۔

''یہ کیوں نہیں کھل رہا؟''

''کیونکہ تم غلط پاسورڈ لکھ رہی ہو گی۔ تمہیں یقین ہے کہ یہی پاسورڈ تھا۔'' تحمل سے بولا۔

''کیا مطلب یقین ہے؟ میں پاگل تو نہیں ہوں نا۔ اتنا سادہ پاسورڈ تھا میرا۔ اُف یہ کیوں نہیں کھل رہا۔'' وہ پریشانی سے بار بار پاسورڈ ٹائپ کرنے لگی۔ خاور نے قدرے غصے سے ٹوکا۔ ''مت کرو' تم فائلز کرپٹ کر دو گی۔'' مگر تیسری دفعہ جب پاسورڈ نہ لگا تو .... فائلز کرپٹڈ ... لکھا آنے لگا۔

''اُف حنین۔'' خاور نے بےزاری سے فلیش کھینچی اور اسے تھمائی۔ ''اب اسے جا کر آگ میں جھونکو اور مجھے کام کرنے دو۔''

''کیا مطلب؟ میں نے ایک ہفتہ لگا کر ان کو ڈاؤن لوڈ کیا ہے' میری فرینڈ سے شرط لگی ہے' پلیز کرنل خاور' مجھے یہ کھول کر دیں۔'' وہ بدحواس ہو گئی تھی۔

''حنین مجھے ایک سیمینار کے لیے سیکیورٹی پلان تیار کرنا ہے' میرے پاس بہت کام ہے' تمہاری ٹین ایج حرکتوں کے لئے وقت نہیں ہے میرے پاس۔ جاؤ۔'' رکھائی سے کہہ کر وہ واپس اپنی کرسی پہ آیا۔

''پلیز کرنل خاور۔''

''جاؤ حنین!'' وہ سنجیدگی سے ٹائپ کر رہا تھا۔ چند لمحے وہ خاموش رہی تو خاور نے نگاہ اٹھائی۔

سامنے کھڑی حنین چہرہ جھکائے' رو رہی تھی۔ موٹے موٹے آنسو گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔ خاور نے کراہ کر کنپٹی مسلی۔ ''اب کیا ہے؟''

''اگر میری جگہ آپ کا بیٹا ہوتا تو بھی ایسے ہی کرتے؟'' اس نے جھکے چہرے کے ساتھ آنسو گرائے' اور فلیش پکڑ کر سست روی سے جانے کو مڑی۔ ساتھ ہی ہچکی لینے کی بھی آواز آئی۔

خاور نے آنکھیں میچ کر خود کو جیسے ڈھیروں صبر دلایا اور پھر اسے آواز دی۔

''میں صرف decrypt کر کے دوں گا' لیکن دوبارہ encrypt نہیں کروں گا۔''

وہ الٹے قدموں بھاگ کر واپس آئی۔ آنسوؤں والے چہرے کے ساتھ مسکرائی۔ ''سچ؟''

''کتنی ڈرامہ ہو تم۔'' ناگواری سے بولا۔ حنہ نے پلکیں جھپکاتے فلیش اس کو تھمائی۔ پھر اس کی کرسی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ وہ شدید کوفت زدہ سا فلیش اڑستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ لمبا کام ہے اور تم اس دوران خاموش رہو گی۔ مجھے زائد باتیں پسند نہیں۔ تمہارے پہلے لفظ پہ میں کام روک دوں گا۔'' تیزی سے ٹائپ کرتی انگلیاں مسلسل چل رہی تھیں۔ اس کی کرسی کے ساتھ کھڑی حنہ ہتھیلی تھوڑی تلے جمائے' دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی۔

''سو آپ نے ...ElGamal کے ذریعے' کی' کو...'' خاور نے پلٹ کر گھور کر اسے دیکھا' اس نے فوراً اپنے لبوں پہ انگلی رکھ لی۔ ''اچھا سوری' میں چپ!'' وہ شدید کوفت زدہ سا کمانڈز دینے لگا۔ حنین لب دانتوں سے دبائے' ایکسائٹڈ سی دیکھ رہی تھی۔ جس کو اتنا ماہر استاد ملے' وہ نہ سیکھے' یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

غرورِ حسن سراپا نیاز ہو تیرا

طویل راتوں میں تو بھی قرار کو ترسے

اسامہ ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا' اور ندرت فون پہ بات کر رہی تھیں۔ ابا اپنے کمرے میں جلدی سونے جا چکے تھے۔

''اچھا ذکیہ خالہ۔ اللہ حافظ۔'' ندرت سارہ کی امی سے فون پہ بات ختم کر کے سیم کی طرف مڑیں۔ وہ ناخوش لگ رہی تھیں۔ ''فارس اور زمر کو دیکھو۔ شادی کا فنکشن چھوڑ کر باہر ڈنر کرنے چلے گئے۔ اب اس کی کیا تک بنتی ہے؟ اگر وہاں کھانا نہیں کھانا تھا تو گھر آ جاتے' فضول پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فارس بھی جہاں بیوی کہے چل پڑتا ہے۔''

سیم نے مڑ کر ان کو سنجیدگی سے دیکھا۔ ''امی کچن میں دیکھیں۔ چولہا بند ہے نا؟ کیونکہ مجھے جلنے کی شدید بو آ رہی ہے۔''

''ہاں ہاں' بند ہے۔ دودھ کڑھ گیا تھا تو میں نے اتار لیا۔'' وہ اپنے ہی خیال میں گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اٹھ گئیں۔ سیم نے سر جھٹکا اور واپس

ٹی وی دیکھنے لگا۔

کافی دیر بعد دروازہ کھلا اور اس نے تھکی تھکی سی زمر کو آتے دیکھا۔ وہ بجھی، بے رونق لگ رہی تھی۔ سیدھی نیچے تہہ خانے میں چلی گئی۔ سیم آہستہ سے اس کے پیچھے گیا۔ وہ سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ اداس اور اکیلی۔

''آپ اکیلی کیوں آئی ہیں؟ ماموں کہاں ہیں؟''

''تمہارے ماموں کو خود نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہیں۔''

''آپ اَپ سیٹ ہیں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ زمر نے جواب دیے بنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ سیم نے اس کے ساتھ زینے پہ کچھ رکھا۔ اور پھر اسی واپس چلا گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہ چاکلیٹس کا ڈبہ تھا۔ زمر زخمی سا مسکرائی۔

''ضروری نہیں کہ جو چیز ایک دفعہ اچھی لگے، وہ ہمیشہ اچھی لگتی رہے۔ جیسے وہ اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتا، جتنا آج میں نے اسے جان لیا ہے۔'' وہ خود سے بڑبڑائی۔ ''اسے خود بھی نہیں معلوم کہ اسے زرتاشہ سے اپنی سوچ سے زیادہ محبت تھی، اور مجھ سے اپنی سوچ سے بہت کم۔''

اندھیرے تہہ خانے کی سیڑھیوں پہ ریپر میں لپٹی چاکلیٹس کی مہک کے اندر پھر سے ''ربیکا'' کی خوشبو بھی بس گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جنوں میں شوق کی گہرائیوں سے ڈرتا رہا
میں اپنی ذات کی سچائیوں سے ڈرتا رہا

زمر یوسف نے زندگی میں پہلی دفعہ فارس کے بارے میں اتنی بڑی بات بالکل درست کہی تھی، لیکن اگر وہ سن لیتا تو تعجب اور حیرت سے تردید کر دیتا۔ وہ جلد ہی گھر آ گیا تھا۔ پہلے وقت دیکھا۔ نماز کا خیال آیا پھر ''کچھ دیر بعد'' سوچ کر ٹال دیا۔۔۔ جیل سے آنے کے بعد وہ بہت کم نماز پڑھ پاتا تھا۔ کمرے میں صوفے پہ بیٹھتے ہوئے جوتے اتارے۔ دفعتاً سیل بجنے کی آواز آئی۔ زمر شاید باتھ روم میں تھی، سیل بیڈ پہ پڑا تھا۔ فارس کسی خیال کے تحت اٹھا، اور اس کا موبائل اٹھایا۔ احمر شفیع کا پیغام آیا تھا۔ اس کے ابرو بھنچے۔ سیل اٹھایا اور زمر کا پیٹرن ملا کر اسے کھولا۔

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے، کال می جب میرا میسج دیکھیں۔'' فارس کے ابرو مزید تن گئے۔ انگوٹھے سے اسکرین اوپر کی۔ پرانے میسجز۔ باہر ملنے کے۔ کسی کام کی طرف اشارہ۔ فیس کی بات۔ احمر کا فیس کے لئے شکریہ کرنا۔ سب مبہم تھا، مگر... تنے ابرو اور بھنچے لبوں کے ساتھ اس نے فون واپس اپنی جگہ پہ رکھا اور باہر بالکونی میں آ گیا۔

وہاں تاریکی تھی۔ فارس کرسی پہ پاؤں لمبے کر کے نیم دراز ہوا اور آنکھیں بند کر لیں۔ دل و دماغ دو حصوں میں بٹے تھے۔ (وہ اس کو کبھی دھوکہ نہیں دے گی، وہ ایک بے وقوف عورت اور بدترین وکیل سہی، مگر وہ پیٹھ پیچھے حملہ کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ مگر پھر بھی وہ اتنا بے

چبھن کیوں تھا؟ شک بڑھتا کیوں جا رہا تھا؟) اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ تاریکی میں اپنی ساری زندگی کسی فلم کی طرح چلنے لگی...

فارس غازی نے ایک ایسے گھر میں جنم لیا تھا جہاں ایک ''بیمار'' شخص پہلے سے موجود تھا۔ اس کی ماں جو مرضِ عشق میں مبتلا تھی۔ وہ ایک کاردار تھی۔ علیمہ کاردار۔ بے حد خوبصورت۔ ہاشم جیسے نقش' اور نوشیرواں جیسا مزاج۔ نخرہ' غرور' غصہ' سب کسی کاردار جیسا تھا۔ کسی زمانے میں یہ سب اپنے جوبن پہ ہوتا ہوگا' مگر جس عمر میں اس کے ذہن نے شعور کی منزل پہ قدم رکھا' وہ بہت حد تک ڈھے چکی تھی۔ اسے ایک شادی شدہ آدمی سے محبت ہوئی تھی۔ گو کہ وہ اورنگزیب کاردار کی بہن تھی' امیر تھی' خوبصورت تھی' لیکن پھر بھی محبوب کو خرید نہیں سکی تو خود کو اس کے قدموں میں رول دیا۔ ہر قیمت پہ اسے اپنانا چاہا' اور اپنا بھی لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ کو بھی اس کی ماں سے محبت تھی' مگر یہ متوازن محبت تھی' اس میں ''مرض'' کا عنصر نہ تھا۔

علیمہ کے لئے طہیر نے سب کچھ کیا' اس کو اپنا نام دیا' اولاد دی' مگر ایک الگ گھر نہ لے کر دے سکا۔ علیمہ کو الگ گھر کی تمنا بھی نہیں تھی۔ وہ جہاں تھی خوش تھی تب تک جب تک وہ ان ماں بیٹے سے ملنے آتا رہے۔ اور وہ اکثر آتا تھا۔ فارس کے لئے وہ آئیڈیل مرد تھا۔ مضبوط اور بہادر۔ ہر بچے کے لئے اس کا باپ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی ایسا جس کو کوئی نہیں ہرا سکتا' جو ہر مسئلے کو حل کر سکتا ہے' ہر پریشانی میں ان کی ڈھال بن سکتا ہے۔

پھر ایک دن آئیڈیل کا یہ مجسمہ بھی خاک بوس ہو گیا۔

اس روز کس چیز کی دعوت کی گئی تھی؟ بالکونی میں بیٹھے فارس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ہاں' اس کے پاس ہونے کی خوشی میں۔ شاید کوئی پوزیشن لی تھی اس نے۔ اس کا باپ' اس کی ماں' اور چھ سالہ فارس' وہ بہت مسرت اور فخر سے اس دعوت کا حصہ بنے تھے۔ سب کچھ بہت اچھا تھا۔ تحفے' رنگ' خوشبو۔ روشنیاں۔ دعوت اورنگزیب نے دی تھی۔ کسی زمانے میں ان کو اپنی بہن اور بھانجے سے بہت لگاؤ ہوتا تھا۔

لیکن پھر... جواہرات کاردار نے اپنے کسی ملازم کے ہاتھوں طہیر غازی کی پہلی بیوی کے گھر پیغام بھجوا دیا۔ وہ اپنے دو بچوں' ایک بڑی لڑکی' اور ایک فارس سے کچھ بڑے لڑکے کے ساتھ اس دعوت پہ آ دھمکی۔ ندرت اور وارث کی ماں ولایت بیگم۔ وہ سخت گیر مذہبی مائل اور اوسط تعلیم یافتہ عورت تھی۔ اگر وہ کسی اونچی ڈگری کی حامل ہوتی' تب بھی شاید وہ یہی کرتی جو اس نے کیا۔ علیمہ کے سوشل سرکل' اور نگزیب کے رشتے داروں اور دوستوں کے سامنے اس نے چلا چلا کر سب کو بتایا کہ وہ اس دھوکے باز انسان کی پہلی بیوی ہے۔ یہ تو دو بچوں کا باپ ہے' اور اب یہاں کھڑا ہے ایک خوبصورت اور جوان عورت کے ساتھ؟

جواہرات اپنے بیٹے کے ساتھ سکون سے بیٹھی تماشہ دیکھتی رہی۔ علیمہ حق دق سی کھڑی رہی' اورنگزیب اور طہیر اسے سمجھاتے رہے کہ علیمہ' اورنگزیب سب جانتے ہیں کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا' اس نے نکاح کیا ہے' گناہ نہیں کیا' مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ ولایت تو نہیں جانتی تھی۔ اسے تو آج علم ہوا تھا۔ اس نے اپنی زبان اور اپنے آنسوؤں سے جو کچھ کہا' وہ کونے میں کھڑے فارس کا ذہن تاعمر اپنے باپ کے لئے داغدار کر گیا۔ یہ نہیں تھا کہ اس کی باپ کے لئے محبت میں کمی آئی یا وہ ان سے نفرت کرنے لگا۔ بس اتنا تھا کہ اس نے اپنے باپ کا مان

اور اعتماد کھو دیا۔ اگر ولایت نہیں جانتی تھی، تو وہ بھی نہیں جانتا تھا مگر اس وقت اس کا خیال کسی کو نہیں تھا۔ سب تقریب کی شرمندگی اور اہانت کو تحلیل کرنے کی سعی کر رہے تھے۔ وہ وہیں اس کونے میں کھڑا رہا۔ ساکت۔ خوفزدہ۔ بے یقین۔ فکرمند۔ اس کو ایک دم اپنا آپ کمزور اور بے سہارا لگا تھا۔ اس کے سامنے کھڑا اس کا باپ ولایت بیگم کو صفائی پیش کر رہا تھا، وہ پریشان تھا' اور بے چین بھی۔ وہ سب کچھ لگ رہا تھا سوائے ایک بہادر مرد کے۔ اور یہ سب کرتے ہوئے اس نے علیمہ کا کردار کو قطعاً نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ خوبصورت لڑکی بے بس اور بے سہارا کھڑی تھی۔ طہیر غازی ان دونوں کا سہارا نہیں بن سکا تھا۔ گھر کا سربراہ ایسا نہیں ہوتا۔ گھر کے سربراہ کو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خاموشی سے اپنی ماں کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ علیمہ کی انگوٹھی کا نگینہ اسے چبھا تھا۔ اس چبھن میں بھی احساسِ تحفظ تھا۔ ان دونوں میں کون کس کو تحفظ دے رہا تھا؟ دونوں کو نہیں معلوم تھا۔ مگر اس دن سے فارس کو لگنے لگا تھا کہ ہر رشتہ یا تو ختم ہو جاتا ہے یا دھوکہ دے جاتا ہے۔ اس نے باپ سے محبت کرنا کم نہیں کی، لیکن یہ احساس ہو گیا کہ وہ ایک ایسا مرد ہے جو کٹھن وقت میں ان ماں بیٹے کے سر کی چھت نہیں بن سکتا۔

طہیر غازی اپنی پہلی بیوی اور خاندان کے ہاتھوں آہستہ آہستہ شکست تسلیم کرتے گئے۔ مہینوں بعد ادھر چکر لگا پاتے۔ یا بالکل نہ آتے۔ فارس کو نہیں معلوم کہ یہ فیصلہ کس نے کیا تھا لیکن ایک دن وہ ان دونوں کو اپنے خاندانی گھر لے ہی آئے۔ یہاں سے زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔ رنگین فلم جیسے بلیک اینڈ وائٹ اور mute ہو گئی تھی۔ ولایت بیگم کے گھر میں وہ دو قیدی عجیب انداز میں لائے گئے تھے۔ نہ ان کے کوئی حقوق تھے، نہ مان تھا۔ ان سے بات کرنا گناہ، ان کی پرواہ کرنا جرم تھا۔ گھر میں واضح لکیر کھینچ گئی تھی۔ ایک طرف ایک کمرے میں وہ نازوں میں پلی ' مرضِ عشق میں مبتلا' ہر حال میں طہیر کے ساتھ رہنے کی خواہاں لڑکی اپنے کم عمر بیٹے کے ساتھ تھی۔ اور دوسری طرف طہیر کی خاندانی بیوی اور اس کے دو بچے جن کو پورے خاندان کی سپورٹ حاصل تھی۔

اور اس کا کمزور باپ دریا کے دو کناروں کو ملانے کی کوشش میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کو اس سب سے نکالنا چاہتا تھا' مگر ایک دن اسے احساس ہوا کہ وہ شخص کبھی اس پانی سے نہیں نکل پائے گا۔ اس دن فارس گھر چھوڑ کر واپس بھاگ آیا تھا....

زمر کمرے میں آ چکی تھی۔ آہٹ نے فارس کا ارتکاز توڑ دیا۔ وہ پرانی یادوں کو جھٹک کر موبائل نکال کر بے مقصد بٹن دبانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ طفل وجواں اس نور کے نورس موتی ہیں، اس آگ کی کچی کلیاں ہیں،
جس میٹھے نور اور کڑوی آگ سے ظلم کی اندھی رات میں پھوٹا صبح بغاوت کا گلشن

یہ الگ بات تھی کہ اس سہ پہر ہارون عبید کی رہائش گاہ کا سبزہ اداس تھا۔ آبدار کی کھڑکی سے دکھائی دیتے لان میں مور خاموش بیٹھے تھے۔ بطخیں اداسی سے کونے میں دبکی تھیں۔ بلی جانے کہاں گم تھی۔ اور وہ خود... کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھی تھی۔ "سیو سعدی یوسف" کا صفحہ کھول رکھا تھا اور آنکھوں شدید اداسی لئے اس لڑکے کی مسکراتی تصویر دیکھ رہی تھی۔ ذہن کے نہاں خانوں میں ایک منظر سا اُمڈ رہا تھا۔

آبی نے آنکھیں بند کرلیں اور اس یاد کے جھرنے کو بہنے دیا' اتنا کہ اس کے پانی میں وہ خود بہتی چلی گئی۔

وہ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھی۔ وہ سردی دوپہر تھی۔ سرما کی اداسی ہر جگہ گھلی ہوئی تھی۔ وہ سر جھکائے' جرنل پہ چند اہم نکات لکھے جا رہی تھی۔ جب اس نے وہ آواز سنی۔ کسی کے کسی کو مارنے کی آواز۔ چونک کر سر اٹھایا تو کیفے کے ایک کونے میں' جہاں دیوار سی بنی تھی' پتلی گلی کی طرح' وہاں ایک لڑکا دوسرے کو پیٹ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ حیران پریشان سی اٹھتی' مار کھانے والے لڑکے کے چہرے پہ نظر پڑی۔ وہ نوشیرواں کاردار تھا۔ آبی نے ناک سکوڑی اور واپس بیٹھ گئی۔ (گڈ فار ہم!)

اس کے ساتھ والی میز پہ ایک قدرے درمیانی عمر کی دیسی عورت بیٹھی تھی۔ سر بالکل گرائے' چپ' خاموش۔ کنکھیوں سے آبی کو نظر آیا' ایک گھنگریالے بالوں والا لڑکا دو کافی کے مگ لئے ادھر آ کر بیٹھا ہے۔ اس کی آبی کی طرف پشت تھی' وہ بھی توجہ دیے بنا کام کرتی رہی۔ البتہ ان کی باتیں کان میں پڑ رہی تھیں۔ وہ لڑکا شاید اس عورت کا اسٹوڈنٹ تھا اور عورت کو تو وہ ٹیچر کی حیثیت سے پہچانتی بھی تھی۔

"یہ تمہارا دوست ہے نا جو مار کھا رہا ہے۔" کیفے میں اس وقت لوگ بہت کم تھے' پھر بھی وہ اٹھ کر اس طرف دوڑے تھے۔ مگر وہ لڑکا کچھ بھی سنے سمجھے بغیر شیرو کو مارے جا رہا تھا۔ "تم بھی اس کی مدد کے لئے جاؤ۔"

"اس کی مدد کے لئے بہت سے لوگ ہیں' ابھی پولیس بلا لیں گے' مگر آپ کی مدد کے لئے اس وقت صرف میں ہی ہوں۔"

آبی خاموشی سے گردن ترچھی کیے لکھتی رہی۔

"تم میری کیا مدد کر سکو گے؟ تم خود ایک بچے ہو۔ میرا تیسرا مس کیرج ہوا ہے' آج تو ڈاکٹر نے بھی ناامیدی کی باتیں کی ہیں۔ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" آبی نے یونہی سر اٹھا کر اس طرف دیکھا۔ لڑکے کی پشت تھی' مگر عورت کا نیم رخ واضح تھا اور وہ سر جھکائے' آنسو پونچھ رہی تھی۔

"مسز مرجان' تھوڑے تحمل سے میری بات سنیں۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ آبدار پھر سے کام کرنے لگی۔ اسے معلوم تھا اب وہ اسے تسلی دے گا۔ علاج کے طریقے' یا پھر ایڈاپشن' یا اس حقیقت کو قبول کر کے مثبت سوچ کے ساتھ رہنے کی نصیحت۔

"آپ کا ڈاکٹر ٹھیک کہہ رہا ہے' آپ infertile (بانجھ) ہیں۔ آپ کو یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے۔"

لکھتے ہوئے آبی رکی۔ اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ اسے برا لگا تھا۔ ایسے کہتے ہیں کسی کو بھلا؟ مڑ کر شاکی نظروں سے دیکھا۔

دور کونے میں لوگ شیرو کو اٹھا رہے تھے' وہ لڑکا بھاگ چکا تھا۔

"آپ بانجھ کہلانے پہ اتنی اپ سیٹ کیوں ہیں؟"

"سعدی!" مسز مرجان نے صرف گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ قرآن پڑھتی ہیں' مسز مرجان؟"

(اچھا اب وہ ابراہیم علیہ السلام یا ذکریا علیہ السلام والا واقعہ دہرائے گا۔) آبی نے دوبارہ سے کام کی طرف متوجہ ہوتے سوچا۔

''کبھی کبھی۔''

''یہی کبھی کبھی اس دنیا کے کروڑوں لوگوں کا مسئلہ ہے۔خیر۔آپ نے اس میں ذکریا علیہ السلام والا واقعی تو پڑھا ہوگا' انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ ان کو اکیلا نہ چھوڑیں۔تو....''

''تو اللہ نے انہیں یحیٰ عطا کیے مگر وہ پیغمبر تھے سعدی۔''

سعدی نے گہری سانس لی۔''میم' خوبصورت لڑکوں کی بات کاٹا نہیں کرتے۔اس لئے تحمل سے مجھے سنیں۔جب ذکریا علیہ اسلام نے دعا کی تو اللہ نے ان کو ایک دم سے اولا دنہیں دے دی' بلکہ پہلے بشارت دی' کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا۔مگر جب یہ بشارت دی تو ذکریا علیہ السلام حیرت سے پوچھنے لگے' کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔تو اللہ نے فرمایا' ہم نے اس سے پہلے آپ کو بھی تو تخلیق کیا تھا'اور آپ بھی تو کچھ نہیں تھے۔ آپ مجھے بتائیں مسز مرجان' کیا آپ نے غور کیا اس پہ؟''

''دیکھو سعدی میں سمجھ رہی ہوں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔اللہ تعالیٰ ذکریا علیہ السلام کو یہ بتا رہے تھے کہ آپ کچھ بھی نہ تھے'یعنی ہر انسان پانی کا ایک قطرہ ہوتا ہے'اور یہ اتنا امیزنگ ہے کہ وہ چھ فٹ کا انسان بن جاتا ہے'ہم سب کی پیدائش امیزنگ ہے'لیکن میرا کیس مختلف ہے۔''

''نہیں...یہیں پہ ہم دونوں مختلف ہیں' کیونکہ قرآن پڑھنے اور قرآن پہ غور وفکر کرنے میں فرق ہوتا ہے۔اب اسی آیت کو دیکھیں۔اللہ نے ذکریا کو مخاطب کیا کہ''آپ بھی تو کچھ نہ تھے''آپ نے اس سے مراد ہر انسان کی پیدائش لی'لیکن میرے خیال میں اس کا ایک اور مطلب بھی ہے۔''

آبی بے اختیار گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔مسز مرجان نے بھی قدرے متذبذب سے اس لڑکے کو دیکھا۔

''میرے خیال میں مسز مرجان' اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم ''ہر انسان'' کی پیدائش نہیں صرف ''ذکریا کی پیدائش'' پہ غور کریں۔''

''مطلب؟''

''ذکریا بنی اسرائیلی تھے۔اور بنی اسرائیلی' اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی اولاد ہوتے ہیں۔آپ بتائیں' یعقوبؑ کس کے بیٹے تھے؟''

''اسحٰق علیہ السلام کے...''

''اور اسحٰقؑ کس کے بیٹے تھے؟''

''ابراہیم علیہ السلام کے!''

''ابراہیم اور سارہ کے' علیہما السلام!''اس نے اضافی کیا۔پشت ہونے کے باوجود آبی کو لگا تھا وہ مسکرایا ہے۔

''آپ کو پتہ ہے' بنی اسرائیل اس وقت دنیا کی سب سے بڑی قوموں میں سے ایک ہے۔ہم پٹھان ہوں' یا گورے لوگ' یا فلسطینی' یا ملک اسرائیل کے یہودی' ہم بنی اسرائیلی ہیں۔اسی لئے پٹھانوں اور گوروں جن کو ہم ''انگریز'' کہتے ہیں' ان کی شکلیں ملتی ہیں' کیونکہ ہم سب پیچھے سے اسرائیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ذکریا بھی اسرائیلی تھے۔میں بھی اسرائیلی ہوں۔اور ہم سب کی ماں تھیں۔حضرت سارہ۔آپ

کو معلوم ہے سارہ کون تھیں؟''

''دنیا کی سب سے خوبصورت خاتون تھیں وہ۔'مسز مرجان کو یاد آیا۔

''بالکل'وہ دنیا کی سب سے خوبصورت خاتون تھیں'اور وہ بانجھ تھیں۔''

ایک لمحے کے لئے آبدار کا سانس رک گیا۔ارد گرد ہر شے تھم گئی۔مسز مرجان بھی بالکل ٹھہر کر سعدی کو دیکھ رہی تھیں۔

''تو اللہ تعالیٰ نے ذکریا علیہ السلام سے جو فرمایا'شاید اس کا مطلب یہ بھی تھا مسز مرجان' کہ آپ اپنی پیدائش پہ غور کریں ذکریا۔آپ بھی تو ایک بانجھ عورت کی اولاد ہیں۔'آج دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اسی بانجھ عورت کی اولاد ہے۔اگر سارہ کے اولاد ہو سکتی ہے'تو دنیا کے ہر مرد اور عورت کے ہاں اولاد ہو سکتی ہے۔''مسز مرجان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''مگر وہ...وہ پیغمبر کی زوج تھیں۔اس لئے ان کی اولاد ہوئی۔''

''نہیں۔ان کی اولاد اس لئے ہوئی کیونکہ انہوں نے دعا کی تھی۔جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی'جب ذکریا علیہ السلام نے دعا کی' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا'ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی۔اللہ تعالیٰ دعا رد نہیں کرتے'لیکن اس میں یقین ہونا چاہیے۔آپ کسی پیر'کسی قبر'کسی مزار'کسی تعویز کو وسیلہ بنائیں گی تو اللہ آپ کو انہی کے حوالے کر دے گا۔آپ ایسا مت کیجئے گا۔اگر آپ تہجد نہیں پڑھتیں کسی دعا کے لئے'تو اس کا مطلب ہے آپ اس کو پانے کے لئے خود بھی سیریس نہیں ہیں۔شدید پریشانی کے حالات میں دعائیں بھی شدید مانگنی ہوتی ہیں۔ یہ پانچ وقت کی نماز کے بعد روٹین کی طرح دعا مانگنا کافی نہیں ہوتا۔جتنی بڑی آزمائش ہے'اتنا زیادہ اپنی دعا کو بڑھائیں۔یہ وہی اللہ ہے جو حضرت سارہ کا اللہ تھا۔کیا آپ کی دعا بھی ویسی ہے جیسی سارہ کے شوہر کی تھی؟''

مسز مرجان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔آبدار بالکل ٹھہر کر سن رہی تھی۔

''مگر سعدی...یہ میری آزمائش ہے یا گناہوں کی سزا؟یہ فرق کیسے معلوم کروں؟''

''معلوم کر کے کیا کریں گی؟سزا ہوئی تو معافی مانگیں گی'آزمائش ہوئی تو دعا کریں گی کہ اللہ اس میں کامیاب کرے؟مسز مرجان'مجھ سے پوچھیں تو یہ معلوم کرنا لایعنی ہے۔اس بحث کو چھوڑ دیں اور یہ دونوں کام کرتی رہیں۔آپ کو پتہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ آزمائش کیوں ڈالتا ہے؟''

بھیگے چہرے کے ساتھ مسز مرجان نے نفی میں سر ہلایا۔

''بعض دفعہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کوئی اونچا درجہ دے دیتا ہے'مگر اس کے اعمال اتنے نہیں ہوتے کہ وہ اس درجے تک پہنچ جائے۔یعنی وہ اچھا آدمی ہوتا ہے مگر بہت زیادہ نیکیاں نہیں کر پا رہا ہوتا۔اور اللہ تعالیٰ ناانصافی تو نہیں کر سکتا نا'سو اس شخص کو اس درجے تک پہنچانے کے لئے...سمجھیں پہلی سیڑھی پہ کھڑے شخص کو دسویں سیڑھی تک پہنچانے کے لئے اللہ اس پہ پریشانیاں ڈالتا ہے'تاکہ اس کے گناہ جھڑیں۔ظاہر ہے گناہ کم ہوں گے تو وہ اوپر اٹھتا جائے گا۔جس دن وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے'اس کی آزمائش کھول دی جاتی ہے۔یہ میری خود سے

گھڑی بات نہیں ہے، یہ صحیح حدیث کا مفہوم ہے۔''

''مطلب کہ... یہ سب ہمیں کسی مقام تک پہنچانے کے لئے ہوتا ہے؟''

''جی۔اب یہ آپ پہ ہے کہ آپ اس مقام تک کتنی جلدی پہنچتی ہیں۔زیادہ سے زیادہ نیکیاں کریں تو جلدی زینے عبور کریں گی، حدیث میں آتا ہے کہ انسان کو کوئی چیز ملنے والی ہوتی ہے کہ اس کے گناہ آڑے آجاتے ہیں۔اس لئے گناہوں سے بچیں، اور زیادہ سے زیادہ اچھے اعمال کریں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کشادگی کا انتظار بہترین عبادت ہے۔اس لئے اپنی کشادگی کا انتظار کیجئے۔ بے اولادی، اولاد کی معذوری، یا بیماری، یا اولاد کا ہو کر مر جانا، یہ سب کوئی curse نہیں ہے۔ یہ تو انبیاء کی آزمائش تھی۔ یہ بڑے لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں۔ ہو سکتا ہے روزِ قیامت آپ کو کشادگی کے انتظار میں گزارے یہ ماہ و سال بہت قیمتی لگیں کیونکہ یہ وقت آپ کو وہ دے جائے گا، جو اور کوئی نہیں دے سکتا۔ میں پھر کہتا ہوں، یہ curse نہیں ہے کیونکہ اللہ ہمیشہ ان لوگوں کی سائیڈ پہ ہوگا جن کو وہ آزمانے کے لئے اتنے بڑے بڑے دکھ دیتا ہے۔''

آبدار عبید کو ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہ تھا پھر بھی اس کو لگا اس کی آنکھ سے آنسو گرا تھا۔ کوئی اتنا نرم، اتنا پیارا کیسے بول سکتا ہے؟ اس نے ایک دفعہ پھر گھوم کر اس لڑکے کو دیکھنا چاہا۔ اسکی پشت تھی مگر سامنے گلاس ڈور فریج میں اس کا چہرہ منعکس ہو رہا تھا۔ چھوٹے گھنگھریالے بال، خوبصورت چہرہ، صاف رنگت، بھوری آنکھیں۔

''سعدی۔تم نے میری امید پھر سے زندہ کر دی ہے۔میں اس احسان کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکوں گی۔'' مسز مرجان آنسو رگڑتے ہوئے اسے ممنونیت سے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ''کیا میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی ہوں؟''

''بالکل۔'' وہ ذرا جوش سے آگے کو ہوا۔''اگر کلاس میں کبھی کوئی ایسا مقابلہ ہو جس میں سب سے ہینڈسم لڑکے کو منتخب کیے جانا ہو تو وعدہ کریں آپ مجھے ووٹ دیں گی!'' اور وہ روتے روتے ہنس دی تھیں...

اور اب۔اتنے سال بعد آبدار عبید اداسی سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ ساتھ میز پہ اس کا سفری بیگ تیار رکھا تھا۔ وہ قیدی تھا یا صرف مہمان، یہ فیصلہ اسے اس سفر کے بعد ہی کرنا تھا۔ لیکن اس فیصلے کے بعد وہ کیا کرے گی؟ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ قسمت بھی کیسے عجیب انداز میں اسے اس سے ملانے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے زعم میں تھا، بے خبر رہا مجھ سے
اسے گماں بھی نہیں، میں نہیں رہا اس کا

اس صبح مطلع صاف تھا۔ سورج بھی مکمل روشن تھا۔ بڑے ابا کے آبائی قصبے میں ان کے چچیرے بھائی کی وفات کی اطلاع فجر کے قریب آئی تھی۔ ندرت فوراً سے چلنے کی تیاری پکڑنے لگیں۔ ابا بہت آزردہ تھے، نگران کا جانا بھی ضروری تھا۔ سوناشتے کے بعد ندرت، ابا اور

صداقت سفر پہ نکل پڑے۔ اور دو تین دن کے لئے ریسٹورانٹ بند کرنے کا کہہ دیا۔

وہ گئے تو گھر میں خواہ مخواہ کا سناٹا چھا گیا۔ سیم اسکول جانے سے انکار کر کے سونے چلا گیا۔ فارس اور زمر کی اس رات سے بات چیت بند تھی (گو کہ فارس کے لئے یہ نئی بات نہیں تھی، سو وہ نارمل تھا، مگر زمر کا دل بری طرح ٹوٹا تھا کہ وہ اس کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی)۔

صبح باسی ہو کر ایک روشن دوپہر میں ڈھلی تو ایک سرکاری دفاتر کی عمارت کے اندر ایک آفس میں فارس غازی بیٹھا تھا، اور مسلسل کان کی لو مسلتے ہوئے سامنے براجمان آفیسر سے بات کر رہا تھا۔

''آپ نے اس کار کی تفصیلات چیک کیں؟''

''مجھے افسوس ہے، یہ حساس معلومات ہیں اور میں آپ کو نہیں دے سکتا۔'' وہ صاحب نہایت افسوس سے کہہ رہے تھے۔ ''آپ کو اس کے لیے کورٹ آرڈر لانا ہو گا۔'' فارس ''نو پرابلم'' کہتے اٹھ کھڑا ہوا۔

تبھی ملازم نے اندر جھانکا۔ ''سر آپ کو وارثی صاحب بلا رہے ہیں۔''

آفیسر نے پہلے فارس کو دیکھا، پھر ملازم کو۔ ''کیوں؟''

''سر وہ بہت غصے میں ہیں، ان کے کمرے میں کسی نے بارودی مواد کا بیگ رکھ دیا ہے، ان سے پہلے صرف آپ گئے تھے ادھر، وہ آپ کو فوری طلب کر رہے ہیں۔''

وہ صاحب تیزی سے اٹھے، فارس کو باہر بیٹھنے کا کہا، تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ ہی باہر نکلا، مگر وہ پریشانی سے آگے بڑھتے گئے، اور دوسرے لوگ بھی اسی طرف جاتے دکھائی دیے تو وہ الٹے قدموں واپس اندر آیا، دروازہ بند کیا اور تیزی سے ان کے کمپیوٹر کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ بیٹھنے کی بجائے جھک کر کھڑے وہ کی بورڈ پہ بٹن دباتا رہا۔ سسٹم آن تھا۔ چند لمحے لگے اسے مطلوبہ معلومات تک پہنچنے میں۔ (کورٹ آرڈر کی ایسی کی تیسی) دو صفحے پرنٹ کیے، انہیں تہہ کر کے جیب میں اڑسا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔

دوپہر شام میں ڈھلی اور شام ایک سوگوار رات میں تبدیل ہو گئی۔ انیکسی کے باہر سبزہ زار تاریک تھا، مگر اندر بتیاں جلی تھیں۔ حنین آج گل خان کے اسٹال سے بہت سے تازہ پھول لے آئی تھی (اور اس نے زمر کی وجہ سے قیمت صرف دوگنی بتائی تھی، چار گنا نہیں) اور اب ان کو لاؤنج کی گول میز پہ رکھ رہی تھی۔ اسامہ اور حنین نے مل کر چائنیز بنایا تھا (اور سارا کچن بے ترتیب کر کے رکھ دیا تھا۔) اب بس گرما گرم کھانا ڈش میں نکالنا تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے آواز دی۔

''ماموں.....زمر...نیچے آ جائیں۔ کھانا لگ گیا ہے۔''

اوپر کمرے میں فارس صوفے پہ بیٹھا وہی کاغذات دیکھ رہا تھا۔

''الیاس فاطمی کے بیٹے کی کار کی کسٹم ڈیوٹی وارث کے قتل سے ایک روز پہلے ادا کی گئی۔ میں نے بہت کوشش کی، لیکن کچھ بھی ایسا نہیں مل سکا جو ڈیوٹی ادا کرنے والے کی طرف اشارہ کرے۔ وہ شخص جس نے پیسے ادا کیے ہیں، اسی نے وارث کو قتل کروایا ہو گا۔''

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی زمر بال برش کر رہی تھی' اکتا کر بولی۔ ''تمہارا مطلب ہے تمہارے ذریعے اس نے وارث کو قتل کروایا ہوگا؟''

فارس نے نظر اٹھا کر برہمی سے اسے دیکھا۔ ''جی بالکل' بس مجھے وہ شخص یاد نہیں آ رہا جس کے کہنے پہ میں نے یہ کیا تھا۔'' اور کاغذ رکھ کر باہر نکل گیا۔

اس نے تھکے تھکے انداز میں کنپٹی مسلی۔ کچھ روز سے خرابی طبیعت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مگر کیا فرق پڑتا تھا۔ سر جھٹکتے وہ باہر نکل آئی۔

اسامہ برتن لگا رہا تھا' اور حنین چاول ڈش میں نکال رہی تھی۔ فارس میز کے گرد بیٹھا تھا۔ زمر زینے اتر رہی تھی جب دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس کی گھنٹی کی آواز صور جیسی تھی۔ عجیب وحشت ناک سی۔ وہ قریب تھی' سو لاؤنج سے گزر کر راہداری میں آئی۔ فارس بھی پیچھے آیا تھا۔ راہداری اندھیر تھی۔ دروازے کے ساتھ کھڑکی پہ پردہ پڑا تھا' مگر اس سے روشنی چھلک رہی تھی۔ تیز لائٹس۔ زمر نے قدرے اچنبھے سے پردہ سرکایا۔

یوں لگتا تھا رات میں دن کا سماں ہو۔ گاڑیاں' روشنی۔ پولیس موبائلز۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ مڑ کر دیکھا۔ فارس بھی اتنے ہی اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر زمر نے بند دروازے سے پکارا۔ ''کون؟''

''مسز زمر' فارس غازی گھر پہ ہے؟'' اے ایس پی سرمد شاہ کی آواز سنائی دی۔ پیچھے پولیس کی گاڑیوں کا سائرن۔ فارس چونک کر دو قدم پیچھے ہٹا۔

''آپ کو کیا کام ہے؟'' اس نے دھڑکتے دل سے پکارا۔

''ہمارے پاس فارس غازی کی گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔ اس سے کہیے کہ پرامن طریقے سے خود کو قانون کے حوالے کر دے۔''

کسی نے زمر کے دل پہ پیر رکھ دیا تھا۔ اس نے بے اختیار لبوں پہ ہاتھ رکھا' پھر آگے ہوئی۔ ''لیٹر ہول سے مجھے وارنٹ پاس کریں۔ میں وارنٹ دیکھے بغیر دروازہ نہیں کھولوں گی۔''

اگلے ہی لمحے کاغذ دروازے کی درز سے اندر داخل کیا گیا۔ زمر نے کپکپاتے ہاتھوں سے اسے پکڑ کر کھولا۔ چند الفاظ پڑھے۔ 28 اگست کی رات' قمر الدین چودھری کا قتل' فارس غازی نامزد ملزم۔ تبھی فارس نے پیچھے سے کاغذ اس کے ہاتھ سے کھینچا۔ زمر نہیں مڑی' وہ بے بسی بھرے غصے سے پکار کر بولی تھی۔

''اے ایس پی صاحب' یہ پہلی پیشی پہ معطل ہو جانے والا وارنٹ ہے۔ آپ circumstancial evidence کی بنا پہ کسی کو گرفتار نہیں...'' الفاظ اس کے لبوں میں رہ گئے جب فارس نے کہنی سے پکڑ کر اسے پیچھے کھینچا اور دوسری دیوار سے لگایا۔ پھر کاغذ اس کے سامنے لہرا کر سرخ غصیلی آنکھوں سے بولا۔

''یہ کیا ہے؟''

''ڈونٹ وری یہ صرف...''

''زمر بی بی' یہ کیا ہے؟'' وہ دستخط کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ زمر بالکل ٹھہر گئی۔ دستخط کو نہیں دیکھا۔ وہ صرف فارس کی آنکھیں دیکھ رہی تھی۔

''یہ' زمر' جسٹس مکرم کے سائن ہیں' رائٹ؟ آپ کے ٹیچر کے۔ انہوں نے میرا وارنٹ جاری کیا اور آپ کو خبر بھی نہ ہوئی؟''

اس نے اچنبھے سے فارس کو دیکھا۔ ''فارس تم...''

''میں نے آپ پہ اعتبار کیا' کیونکہ ہم ایک ٹیم تھے' مگر آپ نے اتنی جلدی کی مجھے دھوکہ دینے میں؟'' وہ اتنے صدمے' اتنے غصے سے بولا تھا' زمر کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

''فارس' یہ میں نے نہیں کیا۔''

''مجھ سے انتقام لینے کے لئے شادی کی تھی نا' تھوڑا صبر تو کرتیں میں اپنے خاندان کو تو واپس جوڑ لیتا۔ پھر بھیج دیتیں مجھے جیل۔'' کاغذ غصے سے نیچے مارا تھا۔

''فارس' یہ میں نے نہیں کیا۔'' وہ بالکل سن تھی۔

''صرف آپ جانتی تھیں 28 اگست کے بارے میں۔ جسٹس مکرم آپ کے ٹیچر ہیں۔ اگر کو آپ نے ہائر کیا میرے خلاف ثبوت ڈھونڈنے کے لئے' کیوں؟ کیا نہیں کیا تھا؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ پوچھ رہا تھا۔ زمر کے سارے الفاظ ہی ختم ہو گئے۔

''فارس' وہ اور معاملہ تھا میں...''

''یہ جو اتنے دن سے آپ بار بار ڈاکٹر کی طرف جانے کا کہہ کر گھر سے نکلتی تھیں' یہ... یہ سب مجھے پھنسانے کے لئے کر رہی تھیں؟'' وہ شدید ہرٹ ہوا تھا۔

''فارس میں... میں کیوں تمہیں دوبارہ جیل بھیجنا چاہوں گی؟''

''پہلی دفعہ بھی تو آپ نے ہی بھیجا تھا۔'' دکھی' ملامت سے بھری نظروں سے اسے دیکھتے' اس نے زمر کی کہنی چھوڑی' اور دروازے کی طرف آیا جو مسلسل بج رہا تھا۔ زمر سن سی کھڑی تھی۔ بالکل پتھر ہوئی۔

فارس نے دروازہ کھولا۔ اے ایس پی اور اس کی نفری باہر چوکس کھڑی تھی۔ بہت سی گنز کا رخ اس کی طرف تھا۔

اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہاشم نے مشروب کا گھونٹ بھرتے فخر سے جواہرات کو دیکھا۔ ''میں نے کہا تھا نا' سب سنبھال لوں گا۔'' جواہرات اتنی خوش نہیں تھی۔

''تمہیں کیسے یقین ہے کہ وہ برا پھنسا ہے۔''

''ممی۔'' وہ مسکرایا۔ ''یہ قتل اٹھائیس اگست کی رات کو ہوا ہے۔ فارس غازی کے پاس اس رات کے لئے alibi نہیں ہے۔''

''کیوں؟'' وہ چونکی۔

''اس رات ڈاکٹر ایمن کا ہسپتال جلایا گیا تھا۔ اب عدالت اس سے پوچھے گی کہ اس رات وہ کہاں تھا۔ اگر نہیں بتائے گا' تو قاتل سمجھا جائے گا' اور اگر سچ بتائے گا تو arsonist (آگ لگانے والا) ثابت ہوگا۔ فارس غازی برا پھنسا ہے۔ پچھلے پانچ مہینے سے زندگی عذاب کی ہوئی تھی اس نے۔ بالآخر میں نے اس سے سارے انتقام لے لئے ہیں۔ کیونکہ انتقام...'' اپنا گلاس جواہرات کے گلاس سے ٹکرایا۔ ''میرا جنون ہے!''

نیچے انیکسی کا دروازہ کھول کر فارس سامنے آیا اور دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ روشنی' بندوقیں' سب اس پہ تنی تھیں۔ اے ایس پی سرمد شاہ نے ایک اہلکار سے ہتھکڑی لی' اور فارس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے کلائیوں کو جکڑا۔

''فارس طہیر غازی' تمہیں قمر الدین چودھری کے قتل کے الزام میں حراست میں لیا جاتا ہے۔'' فارس نے سختی سے آنکھیں میچ کر بہت کچھ اندر اتارا۔ ایک آخری ملامت زدہ نظر چوکھٹ میں پتھر ہوئی زمر پہ ڈالی۔ اور پھر ایک سلگتی نگاہ اس اے ایس پی پہ ڈالی جو اس کے ہاتھ پیچھے باندھے اسے ایک وین کی طرف لے جا رہے تھے۔

زمر انہی بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی دفعہ اسے احساس ہوا تھا کہ نا کردہ جرم کا الزام لگنا' اور بے قصور ہوتے کیسا ہوتا ہے۔

(باقی انشاءاللہ آئندہ ماہ)